سیّد ابرار حسین رضوی

عزاداری ہدف یا وسیلہ؟

عزاداری ہدف یا وسیلہ؟

تالیف

سیّد ابرار حسین رضوی

ناشر

موسسہ حسین ابن علیؑ

کراچی، پاکستان

نام کتاب: عزاداری ہدف یا وسیلہ؟

تالیف: سیّد ابرار حسین رضوی

ناشر: موسسۂ حسین ابن علیؑ

طبعِ اوّل: جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ، مطابق مئی ۲۰۱۲ء

قیمت: ۴۵ روپے

کتاب ملنے کا پتا

بی ۴۷، نیو رضویہ کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی

اسکیم ۳۳، کراچی

فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید تلمیذ حسنین رضوی

عزاداری ہدف یا وسیلہ؟ کے عنوان سے نہایت خوبصورت اور وقیع کتاب میرے سامنے ہے۔ عرصے سے اس امر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی مردِ مجاہد اٹھے اور اس موضوع پر قلم اٹھائے۔ کیونکہ اس نوعیت کی تحریر کسی جہاد سے کم نہیں۔ ہماری عزاداری پر اتنے غلاف چڑھ چکے ہیں کہ اس کا اصل چہرہ چھپ گیا ہے۔ ایک ہی جیسے موضوعات پر مسلسل ہر منبر سے گفتگو ہورہی ہے۔ خلافت کی بحث صدیوں سے کی جارہی ہے اور اس مجمع کو سمجھائی جارہی ہے جو امامت کا قائل اور امامت کو تسلیم کرتا ہے۔

ہماری نگاہوں کے سامنے خطیبِ سلونی امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات ہیں، جو ہماری تقاریر کے لیے ایک معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ امام حسین علیہ السلام کے خطبات جن سے اس کتاب کو مزین کیا گیا ہے، وہ ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

آج ہماری قوم کے انتشار اور خلفشار کا سبب ہدف کا متعین نہ ہونا اور ہدف کو منزل سمجھ لینا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اگر امامِ عالی مقامؑ کی عظیم الشان قربانی نہ ہوتی تو نہ دین بچتا نہ آئین، نہ قرآن محفوظ رہتا اور نہ ہی احادیث کا بیش بہا ذخیرہ۔ مجلسیں ہماری حیات کی ضمانت اور دین کی

بقا کا ذریعہ ہیں' ان کا قائم رہنا بے حد ضروری اور لابُدی ہے' لیکن وہ مجلسیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کے نزدیک مستحسن ہوں' جن کے مضامین قرآن اور حدیث سے متصادم نہ ہوں' موضوعات میں تنوع اور ابتکار ہو۔

یہ اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے جس میں ان تمام عنوانات کی وضاحت نہایت خوبصورت پیرائے اور بہترین انداز میں کی گئی ہے۔ کتاب کا اسلوب منطقی ہے' بحث میں کسی قسم کا الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں ہے۔ قاری ایک ہی نشست میں اس کتاب کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ اس کتاب کے ذیلی عنوانات نہایت جالب و جاذب ہیں' دعوت کا اسلوب' حکمت اور موعظہ حسنہ' مقصدِ حیات کا تعین' عدلِ اجتماعی کا قیام اور قیامِ حسینی کی غلط تفسیر اور اصلاح کے لیے چند تجاویز' نیز زیارتِ وارثہ کی تحلیل و تفسیر و تشریح۔ بنیادی نکتہ جس سے اس کتاب میں بحث کی گئی وہ امر بالمعروف اور نہی المنکر ہے' اس سلسلے میں قرآنی آیات سے استشہاد اور امام حسین علیہ السلام کے خطبوں سے استناد کیا گیا ہے۔

قرآنِ مجید میں لفظ معروف ۳۹ مرتبہ آیا ہے اور مومنین کی یہ علامت بیان کی گئی ہے:

"وَ الْـمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ." (سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۷۱)

''مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے ناصر و مددگار ہیں' معروف کا حکم دیتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔'' اور وہیں منافقین کے بارے میں فرمایا ہے:

"اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ." (سورۂ توبہ ۹۔ آیت ٦٧)

''اور منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں' وہ منکر کا حکم دیتے ہیں اور معروف سے روکتے ہیں۔''

ہر فرد کی ذمے داری ہے کہ وہ اس فریضے کو انجام دے جو ہمارے فروعِ دین میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسی سلسلے میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

"اَوْحَی اللّٰہُ اِلَی شُعَیْبِ النَّبِیِّ (ع) أَنِّی مُعَذِّبٌ مِنْ قَوْمِکَ مِائَۃَ اَلْفٍ أَرْبَعِینَ أَلْفاً مِنْ شِرَارِهِمْ وَسِتِّیْنَ أَلْفاً مِنْ خِیَارِهِمْ .فَقَالَ (ع): یَارَبِّ هٰؤُلَاءِ الْأَشْرَارُ فَمَا بَالُ الْأَخْیَارِ فَأَوْحَی اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اِلَیْهِ دَاهَنُوا أَهْلَ الْمَعَاصِی وَلَمْ یَغْضَبُو لِغَضَبِی." (وسائل الشیعہ ۔ج۱۶۔ص۱۴۶)

"اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی شعیب علیہ السلام پر وحی کی کہ میں تمہاری قوم کے ایک لاکھ افراد پر عذاب نازل کروں گا، جن میں چالیس ہزار افراد بدکار ہیں اور ساٹھ ہزار افراد نیکوکار ہیں۔ حضرت شعیب نے فرمایا: اے پروردگار! اشرار پر عذاب کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن نیکوکار کا کیا قصور ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ انھوں نے گناہ گاروں کی چاپلوسی کی اور میرے غضب پر غضبناک نہیں ہوئے۔"

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نہج البلاغہ کے خطبۂ قاصعہ ۱۹۰ میں فرماتے ہیں:

"فَاِنَّ اللّٰـهَ سُبْحَانَهُ لَمْ یَلْعَنِ الْقُرْنَ الْمَاضِیَ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ اِلَّالِتَرْکِهِمُ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْیَ عَنِ الْمُنْکَرِ فَلَعَنَ اللّٰہُ السُّفَهَاءَ لِرُکُوبِ الْمَعَاصِی وَالْحُلَمَاءَ لِتَرْکِ التَّنَاهِی." (نہج البلاغہ۔ص۲۹۸)

"خداوند عالم نے گزشتہ امتوں کو محض اس لیے اپنی رحمت سے دور رکھا کہ وہ اچھائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے منہ موڑ چکے تھے۔ چنانچہ اللہ نے بے وقوفوں پر ارتکابِ گناہ کی وجہ سے اور دانش مندوں پر خطاؤں سے باز نہ آنے کے سبب لعنت کی ہے۔"

اور حضور سرورِ کائناتؐ نے ارشاد فرمایا:

"لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَاأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوَی فَاِذَا لَمْ یَفْعَلُوا ذٰلِکَ نُزِعَتْ مِنْهُمُ الْبَرَکَاتُ وَسُلِّطَ بَعْضُهُمْ عَلَی بَعْضٍ وَلَمْ یَکُنْ لَّهُمْ نَاصِرٌ فِی الْأَرْضِ

وَلَا فِي السَّمَاءِ." (تہذیب الاحکام۔ج ٦۔ص ١٨١)

"لوگ ہمیشہ خیر پر باقی رہیں گے جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہیں اور نیکی کے کاموں میں تعاون کرتے رہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان برکتوں کو سلب کرلیا جائے گا اور وہ ایک دوسرے پر مسلط کردیئے جائیں گے اور زمین وآسمان میں کوئی بھی ان کا ناصر ومددگار نہ ہوگا۔"

یہ کتاب میرے عزیز شفیق اور صاحبِ مطالعہ جناب سید ابرار حسین رضوی کے رشحاتِ قلم کا ثمرہ ہے' انھوں نے نہایت محنت سے ہزاروں صفحات کے مضامین کو مختصر سے صفحات میں اس طرح سمودیا ہے جیسے کوزے میں سمندر سما جائے۔ اس لیے کہ داناؤں نے کہا ہے خیر الکلام ماقل ودل۔۔ یہ کتاب اس موضوع پر منفرد اور بے مثال ہے' اس کا مطالعہ اذہان وعقول کو روشن ومنور کرنے اور صحیح سمت میں سفر کو جاری رکھنے کے لیے بے حد مفید ہے۔

والسلام

سید تلمیذ حسنین رضوی

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۲



مختصر کتاب لکھنے کا کیوں خیال آیا......؟

یہ برسوں پہلے ان دنوں کی بات ہے جب ایک عظیم اور ہر دل عزیز شخصیت سے نئی نئی ملاقات ہوئی تھی۔ یہ ملاقات رفتہ رفتہ دوستی اور پھر اخوت میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ کبھی وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ عظیم دانشور، ماہرِ اقتصادیات اپنی تمام تر علمی اور سماجی حیثیت کے باوجود اتنا سادہ ،مخلص اور انسان دوست بھی ہوگا کہ مجھ جیسے کم علم اور کم مایہ شخص کو بھی ابرار بھائی کہہ کر مخاطب کیا کرے گا۔ جی ہاں! ڈاکٹر سید علی سرور رضوی مرحوم اتنے ہی سادہ، مخلص اور پر محبت انسان تھے انہیں مرحوم لکھتے ہوئے دل بھی روتا ہے اور آنکھیں بھی۔

یہ ان کی محبت اور مخلصانہ برتاؤ ہی تو تھا کہ میں ہر محفل اور ہر مجلس میں ان سے بے تکے اور بچکانہ سوال کرتا رہتا تھا۔ وہ نہ صرف بڑی محبت اور توجہ سے سنتے، بلکہ میرے سوالوں میں خود بھی دلچسپی لیتے تھے۔ ان دنوں گھروں پر چھوٹے پیمانے پر مجالسِ عزا اور دعائے ندبہ وغیرہ کا جو اجتماع ہوا کرتا تھا ان میں ہماری ملاقات اور مجلس اور دعا کے بعد نجی نشستیں ہوتی رہتی تھیں۔

انہی نشستوں میں مرحوم سے میں اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کرتا رہتا تھا کہ ''ہماری مجالس اور عزاداری کا رُخ اب جدید طرز اور تقاضوں پر استوار ہونا چاہیے۔''

مرحوم نہ صرف یہ کہ میری اس خواہش سے اتفاق کرتے تھے، بلکہ مزید اضافہ فرمایا کرتے تھے کہ مجالس میں حسینی تحریک کے ہدف اور اس کے حصول کے لیے مومنین کی ذمے داریوں کا تعین

بھی ہونا چاہیے۔ پھر بہت شفقت آمیز اور ناصحانہ انداز میں کہتے: ابرار بھائی! یہ ممکن ہے نہیں۔

غرض یہ خواہش دل میں مچلتی اور پرورش پاتی رہی، گزشتہ چند سالوں سے کینیڈا میں قیام کے دوران قلم اٹھایا اور یہ جرأتِ رندانہ کر ہی ڈالی۔

نتیجتاً یہ مختصر سی کتاب قارئینِ کرام کے پیش نظر ہے۔ پتہ نہیں قارئینِ کرام بھی اسے بچکانہ خواہش ہی سے تعبیر کریں گے، یا اس پیشکش کو ان کی پذیرائی بھی حاصل ہو سکے گی۔ یہ فیصلہ تو بہر حال قارئین ہی فرمائیں گے، لیکن ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ اس کتاب کے منظرِ عام پر آنے سے پہلے علمائے کرام کی فقہی اور تنقیدی رائے حاصل کرنا از حد ضروری ہے۔ چنانچہ ہمت کر کے ڈرتے ڈرتے اس تحریر کو حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید ذکی باقری صاحب کی خدمت میں پیش کیا، اور ان کی رائے لی کہ آیا یہ کتاب قابلِ اشاعت ہے؟ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اسے قابلِ اشاعت قرار دیا۔ اس کے بعد حال ہی میں ہمارے عزیز حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید تلمیذ الحسنین رضوی صاحب سے نیو جرسی امریکہ میں ٹیلیفون پر رابطہ اور کتاب کا ذکر ہوا، علامہ نے اجازت مرحمت فرمائی کہ مسودہ ان کی خدمت میں ارسال کر دوں، اور انہوں نے اس پر اپنی رائے سے آگاہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ یہ ان کا لطف و کرم ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسے پسند فرمایا، بلکہ اس میں ضروری تصحیح اور اپنی عالمانہ رائے کے ذریعے میری حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ میں نے قبلہ مولانا موصوف سے اپنی ذاتی قرابت داری کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان کی ناقدانہ رائے کے لیے گزارش کی تھی۔ اب یہ خود مولانا جانیں کہ کتاب واقعاً قابلِ پذیرائی ہے یا اس پر ان کی تفریظ، میری کاوش کی تعریف و توصیف، مجھ حقیر سے ان کی ذاتی محبت کا اظہار ہے۔ ان کا لکھا ہوا میرے لیے بہر حال ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں بہر حال ان کا شکر گزار اور ان کے اہل و عیال کے لیے بارگاہِ رب العزت میں دعا گو ہوں۔

ہاں مجھے لفظ نہیں مل رہے کہ میں عزیز القدر جناب سید سعید حیدر زیدی صاحب کا شکریہ کس طرح ادا کروں، کہ اپنی ہمہ وقت دینی مصروفیات کے باوجود انہوں نے اس کتاب کی تصحیح،

تدوین اور اشاعت میں تعاون فرمایا' اور میرے فرزند سید محمد رضا رضوی سلمہ کو اس کی اشاعت کے سلسلے میں اپنی ہدایت سے نوازا اور رہنمائی فرمائی۔ خداوند عالم کی بارگاہ میں ان دونوں کی توفیقات میں اضافے کے لیے دعا گو ہوں۔ میں نورچشمی مرتضی حسین اور سید مصطفیٰ حسین سلمہ کے لیے خصوصی طور پر دعا گو ہوں کہ انہوں نے روزے کے عالم میں پروف ریڈنگ میں جانفشانی کے ساتھ میری مدد کی۔ خدا ان کو شاد و آباد رکھے۔

سید ابرار حسین رضوی

۱۸ اگست ۲۰۱۱ء مطابق ۷ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ

168.Fernforest Drive

Brampton.Ontario L6R 1L7

Canada



پہلا حصہ

عزاداری ہدف یا وسیلہ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزاداری ہدف یا وسیلہ؟

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اھلھا

منزل، اور منزل تک پہنچنے کے ذرائع دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ منزل ایک مستقل حیثیت کی حامل ہے جب کہ منزل تک پہنچنے کے ذرائع غیر مستقل حیثیت رکھتے ہیں، جو وقت اور ضرورت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً اگر ہماری منزلِ مقصود لاہور ہو، تو لاہور پہنچنے کا ذریعہ جہاز بھی ہوسکتا ہے، ریل یا بس بھی ہوسکتی ہے۔ کل جب جہاز یا ریل کا سفر میسر نہیں تھا تو لوگ اونٹ اور گھوڑے پر سفر کرتے تھے، لیکن آج جب یہ سہولت موجود ہے تو اونٹ اور گھوڑے سے ہی سفر کرنے پر اڑے رہنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم منزل سے کوسوں دور ہوں گے جب کہ دوسرے منزل پا چکے ہوں گے۔

اسی طرح مقصد، اور مقصد کے حصول کے وسائل دو جدا جدا چیزیں ہیں۔ مقصد یا ہدف مستقل اور پائیدار حیثیت کا حامل ہے، جو تبدیل نہیں ہوا کرتا لیکن مقصد کے حصول کے وسائل غیر مستقل حیثیت کے حامل ہوتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں۔ زمان و مکان اور ضرورت کے مطابق وسائل کو تبدیل ہوتے رہنا بھی چاہیے۔

کسی بات یا پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا وسیلہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جو ہم زبان سے ادا

کرتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ ہر مرحلے پر زبان ہی کو حرکت دی جائے، تحریر کے ذریعے بھی اپنی بات کو پہنچایا جاسکتا ہے، اشارے اور کنایوں سے بھی کبھی پیغام دیا جاسکتا ہے۔ غرض یہ سب وسائل ہیں جو حسبِ ضرورت بدلتے رہتے ہیں...... مقصد نہیں۔ اصل مقصد اپنی بات یا پیغام کو دوسروں کے دل و دماغ تک پہنچانا ہے جسے بلاغت کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کا ایک اعجاز یہ ہے کہ اس کا کلام بلیغ ہے جو لوگوں کے دل و دماغ میں اتر جاتا ہے۔ قرآن لوگوں کو بھی یہ ہدایت فرماتا ہے کہ اپنی دعوت کو لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق اس انداز سے پہنچاؤ کہ وہ ان کے دلوں میں گھر کر جائے۔ جن لوگوں کے دل وعظ و نصیحت کے ذریعے نرم پڑ جاتے ہیں ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے دعوت دو۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ خشک وعظ و نصیحت بعض دانشور حضرات پر اثر انداز نہ ہو اور وہ عقل و حکمت کے ذریعے متاثر ہوتے ہوں، تو ان تک حکیمانہ انداز میں اپنا پیغام پہنچاؤ۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

"اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ." (سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۱۲۵)

"اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان سے بہترین انداز میں استدلال اور مباحثہ کرو۔"

غرض ضرورت کے لحاظ سے وسائل کو تبدیل ہوتے رہنا چاہیے۔ البتہ مقصد کے حصول کے لیے جو وسیلہ اختیار کیا جائے وہ عقل و شرع کے تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے، متصادم نہیں۔ اس لیے کہ جو وسیلہ عقل و شریعت کے اصولوں سے متصادم ہوگا اس میں فساد کا خطرہ لازمی ہے۔

ہر بالغ اور عاقل انسان ایک با اصول زندگی گزارنے کے لیے اپنے پیش نظر کوئی منزل اور مقصد رکھتا ہے۔ خالقِ کائنات نے کسی چیز کو بےکار اور بے مقصد پیدا نہیں کیا جیسا کہ وہ فرماتا ہے:

"وَ مَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَھُمَا لٰعِبِیْنَ."

(سورۂ انبیا ۲۱۔ آیت ۱۶)

''ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کسی چیز کو بے مقصد اور کھیل تماشے کے طور پر پیدا نہیں کیا۔''

مقصدِ حیات کا تعین

سوال یہ ہے کہ اپنی حیات کے مقصد کا تعین کون کرے؟ کیا انسان اپنی حیات کے مقصد کا تعین کرنے میں خود مختار اور آزاد ہے' کہ اپنی مرضی سے کسی بھی مقصد کا خود انتخاب کر لے؟ اس صورت میں ظاہر ہے کہ وہ اپنے قلبی رجحانات اور ذاتی مفادات کے مطابق کسی مقصد کو اپنائے گا' چاہے اس سے کسی دوسرے انسان کے مفادات کو زک پہنچتی ہو اور اس کے حقوق پامال ہوتے ہوں۔ ہر شخص چاہے گا کہ دنیا کی جتنی نعمتیں ہیں انہیں خود سمیٹ لے' چاہے دوسرے لوگ بھوکے مرتے اور فاقوں میں مبتلا ہوتے رہیں۔ ہر شخص چاہے گا کہ زمین پر صرف اس کی حکمرانی اور اس کا اقتدار ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ زمین پر فساد کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ خداوندِ عالم نے انسان کو اپنے مقصدِ حیات کے انتخاب میں مطلق آزاد نہیں چھوڑا۔ ہماری زندگی خود ہماری عطا کردہ نہیں ہے' بلکہ اس خالقِ کائنات کی عطا کردہ ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ مطلق حاکمیت اور اقتدار اس قادرِ مطلق کا حق اور اسی پاک ذات کے لئے زیبا ہے۔ ہمیں یہ زندگی جس خالق اور مالک نے عطا کی ہے' اس نے ہماری حیات کے مقصد کا تعین کرنے اور ہماری ہدایت کا سامان کرنے کی ذمے داری بھی لی ہے۔ چنانچہ اس رؤف و مہربان خالق کا یہ بے پایاں لطف و کرم ہے کہ اس نے ہماری ہدایت و رہبری کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ بھیجے اور ان کی بعثت کا ہدف و مقصد بھی یہ فرما کر واضح کر دیا کہ:

'' لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔'' (سورۂ حدید ۵۷۔ آیت ۲۵)

''یقیناً ہم نے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ میزان کو نازل کیا ہے' تاکہ (انسانی معاشرے میں) عدلِ اجتماعی قائم کریں۔''

یعنی انبیاؑ کی بعثت کا مقصد زمین پر اللہ کی حکومت اور معاشرے میں عدل کا قیام ہے۔ حاکمیت کا حق صرف اور صرف اللہ کا ہے' کسی انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ انسانوں کو اپنا غلام بنائے۔ انبیاؑ کو بھیجنے کی غرض انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر اس معبودِ حقیقی کی غلامی اور بندگی میں لانا اور عدلِ اجتماعی (Social Justice) قائم کرنا ہے۔ اس غرض وغایت سے خدا کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیوں کہ اس کی پاک ذات بے نیاز ہے۔ البتہ اس سے خود انسانوں کی ہی فلاح و بہبود مقصود ہے' کیوں کہ اس کے نتیجے میں فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہوتی ہے اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

لہٰذا الٰہی مقصد کی تکمیل انبیا علیہم السلام کی اتباع و پیروی اور انسانی فلاح و بہبود کی خاطر عقل کا تقاضہ اور ہماری ذمے داری ہے کہ ہم بھی اپنی منزل اور اپنا مقصدِ حیات الٰہی حکومت اور الٰہی عدل کے قیام کو قرار دیں' تا کہ اس کے نتیجے میں فتنہ وفساد کی جڑیں کٹ جائیں اور دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ وہ خوش نصیب لوگ جو اس مقصد کو اپنا لیتے ہیں' اور اس کے لیے شب و روز کوشاں رہتے ہیں' قرآن ان کو "خَیۡرَ اُمَّۃٍ" (بہترین امت) کے نام سے یاد کرتا ہے اور ان لفظوں میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتا ہے:

"کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ." (سورۂ نسا ۴۔ آیت ۱۱۰)

"تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے تا کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور خدا پر ایمان لاؤ۔"

ہم عزاداری کیوں برپا کرتے ہیں؟

جیسا کہ بیان کیا گیا خداوند عالم نے کسی چیز کو بے کار اور بے مقصد پیدا نہیں کیا' بلکہ اس میں کوئی حکمت' کوئی غرض اور کوئی مقصد پنہاں ہے۔ لہٰذا ہر بالغ اور عاقل انسان کو چاہیے کہ وہ کوئی عبث اور بے مقصد کام انجام نہ دے' اس کے ہر کام کا کوئی مقصد ہونا چاہیے' جو کام بھی وہ انجام

دے اس پر اسے غور کرنا چاہیے کہ اس کا کیا مقصد ہے۔

ہم ہر سال ایک لگن اور محبت کے ساتھ عزاداریٔ امامِ مظلومؑ برپا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کرتے ہیں، محرم کا چاند دیکھتے ہی ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے، ہماری سینہ زنی اور مسلسل بہتے ہوئے آنسو گواہ ہیں کہ عزاداریٔ امامؑ سے ہمیں کتنا عشق ہے، لیکن ایک لمحے کے لیے یہ بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ سب کچھ آخر کیوں کرتے ہیں؟

حسینؑ سے ہمارے اس اظہارِ عشق و محبت کا مقصد کیا ہے؟

حسینؑ سے ہماری یہ محبت اور لگاؤ نہ صرف ہماری ذات تک محدود ہے، بلکہ اس کو ہم دوسروں تک پہنچانا اور ان کی توجہ اس طرف جلب کرنا بھی چاہتے ہیں۔

آخر کیوں؟

عقل کا جواب یہ ہے کہ............

اس کا واحد مقصد حسینؑ کو پہچاننا اور پہچنوانا ہے۔

لیکن حسینؑ کی یہ پہچان اور شناخت کس نہج اور نوعیت کی ہو؟

کیا حسینؑ کی یہ شناخت اور تعارف اس نوعیت کی ہو کہ لوگ یہ جان لیں کہ حسینؑ پیغمبر اکرمؐ کے نواسے، علیؑ کے فرزند، زہراؑ کے دلبند اور حسنِ مجتبیٰؑ کے بھائی تھے؟

لیکن یہ شناخت تو نامکمل اور صرف اس نوعیت کی ہے جیسا کسی شناختی کارڈ کے اجرا کے لیے ضروری ہوا کرتی ہے۔

جبکہ اس کے برعکس......

حسینؑ کو جاننے اور پہچاننے سے مراد ان کے اس عظیم کارنامے سے روشناس ہونا اور روشناس کرانا ہے، جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ ہماری عزاداری کا مقصد حسینؑ اور حسینیوں کی ان عظیم قربانیوں اور مقصد سے آگاہ ہونا اور آگاہ کرنا ہے جسے انبیاؑ کی کاوشوں اور محنتوں کا تسلسل کہنا چاہیے اور جسے آج بھی جاری اور زندہ رہنا چاہیے۔

یعنی............

''طاغوت کی نابودی اور زمین پر اللہ کی حاکمیت کا قیام اور اس کے قانون کا نفاذ۔''

جسے قرآن کی زبان میں............

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کہتے ہیں۔

اور جسے خود حسین ابن علیؑ اپنی عظیم تحریک اور اپنے قیام و نہضت کا مقصد اور ہدف قرار دیتے ہیں۔

ہماری عزاداری دراصل اسی عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کیا مراد ہے؟

اسلام میں اس الٰہی فریضے کی بڑی اہمیت ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کیا مراد ہے؟

امر بالمعروف کے معنی ہیں............'نیکی کا حکم دینا' اور

نہی عن المنکر کے معنی ہیں............'برائی سے روکنا'

تو کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے صرف یہ مراد ہے کہ............

نماز پڑھو' روزہ رکھو' حج و عمرہ ادا کرو' دعائے کمیل اور دعائے توسل کا ورد رکھو اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرو'

نیز............

جو شخص بھی برائی کرتا نظر آئے اسے جبراً برائی سے روک دو؟

یا............

اس سے بڑھ کر اس کا کوئی اور وسیع تر مفہوم ہے؟

یہ تمام عبادتی امور اپنی جگہ مسلّم' لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس سے بڑھ کر ایک ایسا فریضہ ہے جس کو بجالانے والے مومنین اور مومنات کی تعریف و توصیف خداوند عالم نے ان

لفظوں میں بیان فرمائی ہے:

"وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ."

(سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۷۱)

''مومن مرد ہوں یا عورتیں، سب ایک دوسرے کے دوست ہیں یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر کاربند ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہی ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ اللہ یقیناً طاقت والا اور حکمت والا ہے۔''

یعنی............ حقیقی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آپس میں محبت والفت کا رشتہ قائم ہو اور مومنین اور مومنات ایک دوسرے کے حالات میں دلچسپی لیں۔ اس محبت اور دلچسپی کا تقاضہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کریں، یعنی نماز قائم کریں اور غریبوں کی دستگیری کریں، یعنی زکوۃ ادا کریں۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دوسرا تقاضہ یہ ہے خدا اور رسولؐ کی اطاعت اور تمام اسلامی احکام پر عمل کریں اور ان سب باتوں کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ جو قادر وتوانا اور با تدبیر ہے اس کی بے پایاں رحمت ان کے شاملِ حال ہو۔

یہ وہ الٰہی فریضہ ہے جس کے انجام پا جانے کے ثمرات کو امام محمد باقر علیہ السلام یوں بیان فرماتے ہیں:

"بها تقام الفرائض و تامن المذاهب وتحل المكاسب وترد المظالم وتعمر الارض وينتصف من الاعداء ويستقيم الامر."

یعنی اس فریضے کی ادائیگی کے نتیجے میں............

''تمام تعلیمات پر عمل ہوتا ہے۔

راستے پُر امن اور محفوظ ہو جاتے ہیں۔

حلال رزق کمانے کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

زمین آباد ہوتی ہے۔

مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے، دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جاتا ہے اور سب کام روبراہ ہو جاتے ہیں۔'' (نقل از دروس شہید مرتضیٰ مطہری کتاب ''سخن'')

یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نتیجے میں..........

ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے معاشرتی عدل(Social justice) قائم ہوتا ہے، زمین پر اللہ کی حکومت قائم ہوتی ہے اور قرآن کا دستور اور قانون نافذ ہوتا ہے۔

پند و نصیحت کی حد تک تو انفرادی طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ممکن ہے، لیکن نظم و نسق اور الٰہی حدود کے اجرا کے لیے ایک صالح حکومت کا وجود ضروری ہے، جس میں اقتدارِ اعلیٰ خدا کا اور دستور و قانون قرآن کا ہو۔

حسینی تحریک کا ہدف بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے:

امر بالمعروف اور نہی المنکر ہی وہ فریضہ تھا جس کے لیے حسین ابن علیؑ مدینہ سے نکلے اور حج جیسے فریضے کو چھوڑ کر ۸ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو مکہ سے بھی نکل کھڑے ہوئے۔ اس لیے کہ انبیا علیہم السلام اور پیغمبر ختمی مرتبتؐ کے بعد یہ ذمے داری حسینؑ کے کاندھوں پر تھی کیوں کہ حسینؑ وارثِ انبیاؑ ہیں، جیسا کہ ہم زیارتِ وارثہ میں پڑھتے ہیں:

''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یا وارِثَ آدَمَ صَفْوَةِ اللّٰه، اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یا وارِثَ نُوحٍ نَبِی اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یا وارِثَ ابْرٰهِیمَ خَلِیلِ اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یا وارِثَ مُوسَی کَلِیم اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یا وارِثَ عِیسَی رُوحِ اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَیْکَ یا وارِثَ مُحَمَّدٍ حَبِیبِ اللّٰه.....''

''اے آدمؑ ونوحؑ وابراہیمؑ کے وارث حسینؑ' اے! موسیٰؑ وعیسیٰؑ ومحمد مصطفیؐ کے وارث حسینؑ' آپ پر ہمارا سلام ہو۔''

یہ کون سی وراثت ہے جس کی زیارتِ وارثہ میں بار بار ہم تکرار کرتے ہیں؟

حسینؑ انبیاؑ کی کس چیز کے وارث ہیں؟

کیا کسی دنیاوی مال ودولت کے وارث ہیں؟

سونے چاندی کے ذخائر کے وارث ہیں؟

کیا کسی زمین وجائیداد کے وارث ہیں؟

جس وراثت کی بار بار ہم زیارتِ وارثہ میں تکرار کرتے ہیں' اس کی معنویت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کسی مال ودولت اور زمین وجائیداد کی وراثت نہیں' بلکہ حسینؑ اس الٰہی فریضے کے وارث اور پاسدار ہیں جو خداوند عالم نے انبیاؑ پر عائد کیا تھا...... یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے' جس کے نتیجے میں زمین پر اللہ کی حکومت اور اسلام اور قرآن کا نظام نافذ ہوتا ہے۔

انبیا علیہم السلام اور پیغمبر ختمی مرتبتؐ کے بعد یہ ذمے داری اور مسئولیت ائمۂ اطہار علیہم السلام پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ اب یہ بھاری ذمے داری حسینؑ کے کاندھوں پر تھی' جس کے لیے حسینؑ نے اپنے نانا کے روضے کو چھوڑا' مدینہ کو چھوڑا اور پھر ۸ ذی الحج کو حج جیسے اپنے محبوب فریضے کو بھی چھوڑ کر عازمِ سفر ہوئے۔

حسین ابن علیؑ نے اپنی تحریک کا آغاز کب اور کہاں سے کیا؟

کسی بھی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے صحیح وقت اور مناسب جگہ کا انتخاب بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ امام حسینؑ اپنے پدرِ بزرگوار مولائے کائنات امیر المومنین امام علی علیہ السلام اور اپنے برادرِ شفیق امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے بعد معاویہ کے ساتھ طے پانے والے معاہدہ کی پاسداری اور انصار واعوان کی قلت کے پیشِ نظر مناسب وقت کے انتظار میں تھے' اور چاہتے تھے کہ معاویہ کے جرائم اور اس کا حقیقی چہرہ جسے اس نے دین کے لبادے میں

چھپایا ہوا تھا، کھل کر لوگوں کے سامنے آ جائے۔ اس لیے آپؑ سکوت اختیار کیے ہوئے تھے، لیکن گاہے بگاہے معاویہ کے چہرے کو بے نقاب کرتے رہتے تھے، جیسا کہ ایک مرتبہ آپؑ نے حج کے موقع پر منیٰ میں اس وقت کی سر برآوردہ شخصیات کے اجتماع میں حکومتِ وقت کی چیرہ دستیوں کو منظرِ عام پر لانے کے بعد علما کو ان کی ذمے داریوں کا احساس دلایا۔ جس کے نتیجے میں آپؑ کو حکومت کی سختیوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ لیکن ابھی کھل کر سامنے آنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ امامؑ کی وقتی خاموشی اور سکوت کو اگر تقیے پر محمول کیا جائے تو یہ تقیہ وقت کی ضرورت اور امامؑ کی بصیرت کا متقاضی تھا۔

ہمارے نزدیک......

''کسی عظیم الٰہی مقصد کے حصول اور اس کی بقا کی خاطر سکوت و خاموشی اور اپنے اسرار و ہدف کو راز میں رکھنے کا نام تقیہ ہے۔''

جبکہ اس کے برعکس......

''دین کا لبادہ پہن کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے دین کو سپر اور آڑ بنانے کو نفاق کہتے ہیں۔''

بہر حال حسین ابن علیؑ اپنی بصیرت، وقت کے تقاضے اور معاویہ کے ساتھ طے پانے والی شرائط کی پاسداری کی بنا پر خاموش تھے اور مناسب وقت کے انتظار میں تھے، یہاں تک کہ رجب ۶۰ ہجری میں معاویہ کے انتقال اور یزید کی تخت نشینی کے بعد مدینہ کے گورنر ولید ابن عتبہ کو یزید کا خط ملتا ہے، جس کا مضمون یہ تھا:

''خُذِ الْحُسَیْنَ وَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ زُبَیْرٍ اَخْذاً شَدِیداً لَیْسَتْ فِیهِ رُخْصَةٌ حَتّیٰ یُبَایِعُوا۔''

''حسین ابن علیؑ، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر پر سختی کرو اور جب تک بیعت نہ کرلیں انہیں کوئی مہلت نہ دو۔''

چنانچہ ولید نے رات کے وقت امامؑ کو اپنے دربار میں طلب کیا اور یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا۔امامؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

''اِنّا اَهلُ بَيتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعدنُ الرِّسالَةِ وَمُختَلَفُ الْمَلائكَةِ وَ مَهْبَطُ الرَّحمَةِ بِنا فَتَحِ اللهُ، وبِنايَختِمُ . وَيَزيدُ رَجُلٌ شارِبُ الْخَمرِ وَ قاتِلُ النَّفْسِ الْمُحتَرَمَةِ مُعلِنٌ بِالْفِسقِ وَ مِثلي لا يُبايِعُ مِثلَهُ.....''

''ہم خاندانِ نبوت کے فرد اور رسالت کا سرچشمہ ہیں، ہمارے گھروں پر فرشتوں کی آمدورفت رہا کرتی ہے، ہمارے خاندان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اللہ نے اسلام کو ہمارے گھرانے سے شروع کیا اور آخر تک ہمارا گھرانہ ہمیشہ اسلام کے ہمراہ رہے گا۔''

(جس) یزید کی بیعت کا تم مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو، اس کا کردار یہ ہے کہ وہ شرابی ہے اور بے گناہ افراد کا قاتل ہے، اس نے اللہ کے احکام کو پامال کیا ہے اور کھلے عام فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے۔ مجھ جیسا انسان کسی صورت اس جیسے شخص کی بیعت نہیں کر سکتا۔''

امامؑ نے اپنے مقام وحیثیت کا تعارف کراتے ہوئے یہ واضح کیا کہ تم یزید جیسے شخص کی بیعت کا مطالبہ جس حسینؑ سے کر رہے ہو، وہ نبیؐ کے گھرانے کا نہیں بلکہ نبوت کے گھرانے کا فرزند ہے۔ یعنی واضح کیا کہ ہم نبوت اور رسالت کا سرچشمہ ہیں۔ ہم انبیاؑ کے وارث ہیں، ہمارا کام طاغوت کے ہاتھوں میں ہاتھ دینا نہیں، بلکہ طاغوت کے پنجوں سے انسان اور انسانیت کو آزاد کرانا ہے۔

اپنا تعارف کرانے کے بعد یزید کے مکروہ چہرے کو یہ کہہ کر بے نقاب کیا کہ جس یزید کی بیعت کا تم مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو وہ شرابی، قاتل اور فاسق و فاجر شخص ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ حسینؑ جو انبیاؑ کی ذمے داریوں اور مسئولیت کا وارث اور پاسبان ہو، وہ یزید جیسے فاسق و فاجر کے

ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اس کی بیعت کر لے۔

حسین ابن علیؑ نے یہ کہہ کر کہ: ''مجھ جیسا اس جیسے کی بیعت کسی صورت نہیں کر سکتا۔'' امت کو ایک پیغام دیا ہے' اور وہ یہ کہ......

''نہ تو حسینؑ یزید جیسے کسی شخص کی بیعت کر سکتا ہے' اور نہ کوئی حسینی کسی طاغوتی طاقت کے ساتھ سمجھوتا کر سکتا ہے۔''

غرض ولید کو اپنے مؤقف سے آگاہ کرنے کے بعد امامؑ واپس آئے۔ دوسرے روز صبح سرِ راہ آپؑ کی مروان سے ملاقات ہوئی' تو اس نے خیر خواہ بن کر آپؑ کو یزید کی بیعت کر لینے کا مشورہ دیا۔ امامؑ نے اس کے جواب میں کلمۂ استرجع پڑھنے کے بعد فرمایا:

''وَ عَلَی الْإِسْلَامِ السَّلَامُ اِذَا بُلِیَتِ الْاُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ یَزِیدَ.''

اے مروان!

''امت پرؐ جب یزید جیسا شخص مسلط ہو جائے' تو پھر اسلام کا خدا حافظ' پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لی جائے۔''

آپؑ نے محسوس کر لیا کہ اب سکوت و خاموشی ممکن نہیں' اب خاموشی اور تقیہ حسینؑ کے لیے حرام ہے' کیونکہ اب اسلام خطرات میں گھر چکا ہے' تقیے کا فلسفہ ہی یہ ہے کہ......

''جب الٰہی اہداف کے حصول کا انحصار تقیے پر ہو' تو تقیہ کرنا واجب ہے' لیکن جب اصل ہدف ہی خطرے میں پڑ جائے' تو پھر تقیہ حرام ہے اور ہدف بچانا واجب' چاہے پھر سر کٹانا اور بھرا گھر لٹانا ہی کیوں نہ پڑے۔''

دوسرے لوگوں نے امامؑ کو اپنے ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا' لیکن امامؑ اپنے عزم و ارادے پر ثابت قدم رہے۔ فکری اور نظری لوگوں کو اپنے قیام و نہضت کی غرض و غایت بیان فرما کر دعوتِ فکر دیتے اور جو لوگ اپنے خلوص کی بنا پر آپؑ کو روکنا چاہتے' ان کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق جواب دیتے اور فرماتے تھے کہ......

''میں بھی جانتا ہوں کہ میں ضرور قتل کیا جاؤں گا' میرے جدؐ نے مجھے اس کی خبر دے دی ہے۔''

سچ ہے کہ انبیاؑ اور ائمہؑ کا طریقۂ کار ہی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق بات کرتے ہیں' جیسا کہ کہا گیا ہے:

''اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَآءِ اُمِرْنَا اَنْ نُکَلِّمَ النَّاسَ عَلیٰ قَدْرِ عُقُوْلِهِم.''

''ہم گروہِ انبیاؑ پابند ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقل اور فکر کے مطابق بات کریں۔''

امامؑ اپنی ذمے داریوں اور فریضے کی ادائیگی کے لیے مدینہ چھوڑنے سے پہلے روضۂ رسولؐ پر آئے' اپنے جد کی قبر سے لپٹ کر اپنا دردِ دل بیان کیا' پھر اپنے خالق سے راز و نیاز میں مصروف ہو گئے۔

انسان جب اپنے معبود و محبوب کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے' تو خلوصِ قلب کے ساتھ کھل کر اپنے دل کا حال اور راز بیان کرتا ہے۔ حسینؑ اپنے مالکِ حقیقی کی بارگاہ میں اپنے دل کا درد یوں بیان کرتے ہیں:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّی اُحِبُّ الْمَعْرُوفَ وَاُنْکِرُ الْمُنْکَرَ واسأ لُکَ یَاذَاالْجَلالِ وَالاِ کْرامِ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِیهِ اِلاَّ اخْتَرْتَ لی مَا هُوَ لَکَ رِضیً وَ لِرَسُولِکَ رِضیً.''

''اے میرے مولا و آقا! تو دلوں کا حال خوب جانتا ہے کہ حسینؑ کو اپنی ذمے داری یعنی امر بالمعروف سے کتنی محبت اور منکر یعنی برائیوں اور زمین پر فساد سے کتنی نفرت ہے۔ اے میرے مالک! تجھ سے اس قبر اور اس صاحبِ قبر کا واسطہ دے کر فریاد کرتا ہوں کہ تو مجھے وہ راہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرما جس سے تو اور تیرا رسولؐ راضی ہو جائے۔''

امامؑ کی اس درد بھری مناجات سے پتہ چلتا ہے کہ حسین ابن علیؑ کا ہدف و مقصد اور حسینی تحریک کی منزل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سوا کچھ اور نہیں۔ وہ بھی اپنی انا کے لیے نہیں؛

بلکہ اپنے معبود اور اللہ کے رسولؐ کی رضا کی خاطر، کیونکہ یہ وہ فریضہ ہے جو خدا اور رسولؐ کا مقصود اور انبیاؑ اور ائمہؑ کی مسئولیت اور ذمے داری ہے۔

اپنے قیام ونہضت کے اسی ہدف ومقصد کا اعلان امامؑ نے اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام اپنے وصیت نامے میں ان لفظوں میں کیا:

''انّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَلاٰ بَطِراً وَلاٰ مُفْسِداً وَلاٰ ظَالِماً وَانَّما خَرَجْتُ لَطَلَبِ اَلاِصْلاٰحِ فِی اُمَّةِ جَدّی (ص) اُرِیدُ اَنْ آمُرَ بِالْمَعْرُوفِ وَاَنْهیٰ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسیرَ بِسیرَةِ جَدّی وَاَبی علي بْنِ اَبی طالِبٍ.''

''میرا مدینہ سے نکلنا نہ خود پسندی کی غرض سے ہے نہ فساد وظلم میرا مقصد ہے۔ میرا مقصد تو اپنے جدؐ کی امت کی اصلاح اور میرا ہدف اور میرا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے جدؐ کی سیرت پر عمل کروں اور اپنے پدرِ بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ کی راہ پر گامزن ہوں۔''

یعنی میری راہ اور میری منزل وہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے جو دیگر انبیاؑ، میرے جد رسولِ اکرمؐ اور میرے پدرِ بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ کا ہدف اور مقصد رہا ہے۔

اپنے ہدف کا اعلان کرنے سے پہلے آپؑ نے اپنے عقیدے کا اعلان یہ کہہ کر فرمایا کہ:

''اَنَّ الْحُسَیْنَ یَشْهَدُ اَنْ لاٰ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لاٰ شَرِیکَ لَهُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ جاءَ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنّارَ حَقٌّ وَالسَّاعَةَ آتِیَةٌ لاٰ رَیْبَ فیها وَاَنَّ اللهَ یَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ.''

''حسینؑ گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، محمدؐ اللہ کے بندے ہیں اور اس کی طرف سے دین حق لے کر آئے ہیں۔ حسینؑ گواہی دیتا ہے کہ جنت اور دوزخ برحق ہیں، روزِ جزا کے آنے میں کوئی شک نہیں

ہے اور اللہ تمام اہلِ قبور کو قبروں سے اٹھائے گا۔"

اپنا ہدف بیان کرنے سے پہلے امامؑ نے اپنے عقیدے کا اعلان کرنا ضروری سمجھا تا کہ......

"کل کا کوئی مؤرخ اور محدث اور آج کا کوئی طالع آزما حسینؑ پر یہ الزام عائد نہ کر سکے کہ حسینؑ نے (معاذ اللہ) اپنے وقت کی کسی جائز حکومت کے خلاف خروج کیا۔"

مکہ سے روانہ ہونے کے بعد امامؑ جب منزلِ بیضہ پر پہنچے اور حر نے وہاں آ کر آپؑ کا راستہ روکنا چاہا، تو امامؑ نے حر اور اس کے لشکر سے خطاب کرتے ہوئے اپنے ہدف۔"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

"اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قَالَ مَنْ رَأی سُلْطَاناً جَائراً مُسْتَحِلاً لِحَرامِ اللہ نَاکِثاً عَھْدَہُ مُخَالِفاً لِسُنَّۃِ رَسُولِ اللہ تَعْمَلُ فی عِبَادِ اللہ بالا ثمِ وَالْعُدْوَانِ فَلَمْ یُغَیِّرُ عَلَیْہِ بِفِعْلٍ وَلَا قَوْلٍ کَانَ حَقّاً عَلَی اللہ اَنْ یُدْ خِلہُ مَدْ خَلَہُ ."

"اگر کوئی شخص کسی ایسے جابر حاکم کو دیکھے جو اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال بنا رہا ہو، اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ رہا ہو، رسولؐ کی سنت کی مخالفت کرتا ہو اور اللہ کے بندوں پر ظلم و ستم ڈھا رہا ہو، اور ایسے حاکم کو دیکھنے کے باوجود وہ اپنے عمل اور اپنی زبان سے اس (جابر حاکم) کی مخالفت نہ کرے، تو اللہ کو حق ہے کہ ایسے خاموش تماشائی اور بے عمل شخص کو ایسے ظالم و جابر حکمراں کے ساتھ عذاب (جہنم) میں جھونک دے۔"

اس کے بعد آپؑ نے حکومتِ وقت کے کرتوتوں سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اَلا وَاِنَّ ھٰؤُلَاءِ قَدْ لَزِمُوا طَاعَۃَ الشَّیْطَانِ وَتَرَکُوا طَاعَۃَ الرَّحْمٰنِ وَاَظْھَرُوا الفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُودَ وَ اسْتَأْثَرُوا بِالْفَیْءِ وَاَحَلُّوا حَرامَ

اللہ وَحَرَّمُوا حَلاَلَہُ ."

"لوگو! آگاہ ہوجاؤ کہ بنی امیہ کے ان حکمرانوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کرلی ہے' اللہ کی اطاعت سے منہ موڑ لیا ہے' فتنہ وفساد کو اپنا شعار بنالیا ہے' اللہ کے حدود کو معطل کردیا ہے' خاندانِ نبوت سے مختص مال کو اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے' اللہ کی طرف سے کیے گئے حرام کو حلال اور اللہ کے قرار دیئے گئے حلال کو حرام قرار دے دیا ہے۔"

امامؑ کا یہ چونکا دینے والا خطاب ہم بے عمل لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے ایک تازیانۂ عبرت ہے۔ یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ الٰہی منصب پر قابض کسی غاصب انسان کا ساتھ دینے یا خاموش تماشائی بنے رہنے کا انجام بڑا بھیانک ہے۔

ہماری عزاداری کا ہدف ومقصد:

ہر سال محرم کا چاند دیکھتے ہی دنیا کے گوشہ وکنار میں عاشقانِ حسینؑ صفِ ماتم بچھاتے ہیں' حسینؑ اور ان کے انصار واعوان کی قربانیوں کا ذکر کرتے ہیں' دنیا کی تمام خوشیوں اور راحتوں سے کنارہ کش ہوکر حسینؑ' ان کے اہلِ بیتؑ اور ان کے جانثاروں کے غم میں اشک بہاتے اور سینہ زنی کرتے ہیں' اس لیے کہ غمِ حسینؑ ایسا غم ہے جس پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ عزاداری ہماری شہ رگِ حیات ہے۔

لیکن............

کیا ہماری عزاداری کا مقصد حسینی اہداف سے ہم آہنگ ہے؟

کیا اپنی عزاداری کے ذریعے ہم حسینی تحریک کو زندہ کررہے ہیں؟

ائمۂ طاہرین علیہم السلام نے عزاداری اور مجالسِ عزا برپا کرنے کی مسلسل تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اتجلسون و تتحدثون؟ ان تلک المجالس احبھا. فاحیوا

امرنا. فرحم اللّٰہ من احیا امرنا."

''کیا تم ہمارے جد امام حسینؑ کی مصیبت پر مجالس برپا کرتے ہو اور ان کی مصیبت کا ذکر کرتے ہو؟ ہمیں یہ مجالس محبوب ہیں' ہمارے امر کو زندہ کرو' خدا کی رحمتیں ہوں اس پر جو ہمارے امر کو زندہ کرے۔''

امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ومن جلس مجلسا یحی فیه امرنا' لم یمت قلبه یوم تموب القلوب."

''جو شخص ایسی مجلسِ عزا میں بیٹھے گا جہاں ہمارے امر کو زندہ کیا جاتا ہو' تو اس کا دل قیامت کے دن زندہ و تابندہ ہوگا' جبکہ اس دن ہر دل مردہ ہوگا۔''

ائمۂ طاہرینؑ نے عزاداری اور مجالسِ عزا برپا کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ ہماری عزاداری کے رُخ کا تعین بھی یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ ہماری پسندیدہ اور محبوب وہ مجالس ہیں جن میں ہمارے امر کو زندہ کیا جاتا ہو۔

کون سا امر؟............

وہ ''امر'' جس کے لیے خداوند عالم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ کو بھیجا' کہ اللہ کی زمین سے فتنہ و فساد کی جڑوں کا خاتمہ کر کے' اور انسان و انسانیت کو طاغوت کے خونی پنجوں سے نجات دلا کر' معبودِ حقیقی کے عادلانہ نظام کو قائم کیا جائے۔

یہ ''امر'' وہی ''امر'' ہے جس کے لیے حسین ابن علیؑ نے اپنی مسئولیت اور ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی' اپنے جگر گوشوں کی اور اپنے انصار و اعوان کی جانوں کی قربانی پیش کر کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الٰہی فریضے کی ادائیگی کا حق ادا کر دیا' جس کی ہم زیارتِ وارثہ میں یوں شہادت دیتے ہیں:

''أَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلاةَ وَآتَیْتَ الزَّکاةَ وَأَمَرْتَ بِالْمَعْرُوفِ

وَنَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ."

میرے آقا و مولا حسینؑ!

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز، زکوۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا الٰہی فریضہ ادا کرنے کا حق ادا کر دیا۔"

فرزندِ پیغمبر حسین ابن علیؑ نے ہر ہر منزل اور ائمہ اطہارؑ نے تاکیداً اور تصریحاً حسینی قیام و نہضت کے مقصد کی وضاحت کے ساتھ نشاندہی کر دی، اب یہ ہمارا فرض ہے کہ دقیق نظر سے جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہم عزاداری، مراسمِ عزا اور مجالسِ عزا کے وسیلے سے کیا وہ مقصد حاصل کر رہے ہیں یا نہیں کہ جس کے لیے زہراؑ کے لختِ جگر نے اتنی عظیم اور بے مثال قربانی دی؟

مجالس و مراسمِ عزا میں اصلاح کی ضرورت اور اہمیت

ہماری مجالسِ عزا جن کو برپا کرنے کی ائمہ اطہارؑ نے تاکید فرمائی ہے، وہ بہترین پلیٹ فارم اور وسیلہ ہیں جس کے ذریعے ہم حسینی تحریک کی دعوت عام کر سکتے ہیں۔ اس لیے ان مجالس کو جالب و جاذب بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے مجالس میں ایسے عوامل کو شامل کیا جائے جو حسینی تحریک کو سمجھنے، آگے بڑھانے اور کامیابی سے ہمکنار کرنے میں معاون ہوں، اور ایسے تمام عناصر کو یکسر نکال دیا جائے جو حسینی قیام کے مقصد کو نقصان پہنچانے اور مسخ کرنے کا سبب بنتے ہوں۔

قیامِ حسینی کی غلط تفسیر

وہ عناصر جو حسینی تحریک کو نقصان پہنچانے کا سبب بنتے ہیں، اُن میں سے ایک عنصر امامؑ کے قیام و نہضت کی غلط تفسیر ہے۔ امامؑ کی تحریک کو سب سے بڑا نقصان ان کے قیام و نہضت کی غلط اور من مانی تفسیر سے پہنچا ہے۔ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اپنی طرف سے ان کے قیام کی غرض و غایت کو بیان کریں۔ جب کہ امامؑ نے خود اپنے قیام کے مقصد اور ہدف کو بار بار واضح کیا ہے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اکثر مجالس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حسینؑ اپنے جد کی امت کے گناہوں کو بخشوانے نکلے اور اپنی اور اپنے انصار واعوان کی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے امت کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بن گئے۔

گویا...... "امت کی ذمہ داری بس اب یہ ہے کہ وہ ان کی مصیبت پر آنسو بہا کر اپنے گناہوں کو دھولے۔ کیونکہ امامؑ کی قربانی اور ساری مشقت ان کے گناہوں کا کفارہ بن گئی ہے۔" (معاذ اللہ) یہ سوچ انتہائی مہلک اور خطرناک ہے، جو نہ صرف بے عملی بلکہ بدعملی پر ابھارتی ہے۔ اس قسم کی تفسیر نہ صرف امامؑ کی عظمت اور ان کی عظیم قربانی کے ہدف کے منافی ہے، بلکہ لوگوں کو گناہوں پر ابھارنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ لہٰذا اس طرح کی غلط تفسیر کی سختی کے ساتھ بیخ کنی ہونا چاہیے، کیونکہ یہ امامؑ کے قیام کے اصل ہدف ومقصد کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

مجالس میں خودساختہ مصائب کا بیان

مجالسِ عزا کو کامیاب بنانے اور زیادہ سے زیادہ گریہ اور آہ وبکا برپا کرنے کی غرض سے اکثر خودساختہ مصائب کا سہارا لیا جاتا ہے۔ حسینؑ کی مصیبت یقیناً بڑی جانکاہ اور خون کے آنسو رلانے والی مصیبت ہے، اس پر جتنا رویا اور غم کیا جائے کم ہے، لیکن خودساختہ مصائب تراش کر نہیں۔ کربلا کے دل ہلا دینے والے مصائب کا ذکر (بقول شہید مرتضی مطہری رضوان اللہ علیہ) تاریخ میں سب سے زیادہ تفصیل سے ملتا ہے اور خود لشکرِ یزید کی زبانی ملتا ہے، جنہوں نے اپنے ڈھائے جانے والے ظلم کو ابن زیاد کے سامنے خود بیان کیا اور اس کے صلے میں انعام واکرام سے نوازے بھی گئے۔

مجالس میں شعروسخن کی محفل کا انعقاد

مجالسِ عزا میں سوز وسلام، نوحے اور مرثیے ضرور پڑھے جانے چاہئیں، لیکن ان کا مقصد شعروسخن کی محفل کا انعقاد اور داد وتحسین حاصل کرنا نہیں، بلکہ حسینی پیغام کا ابلاغ اور حسینی تحریک کا احیا

ہونا چاہیے۔ ان مجالسِ عزا میں کمیت اسدی اور دعبل خزاعی جیسے شاعروں کی ضرورت ہے۔ یہ وہ شعرا تھے جنہیں خود ائمہؑ دعوت دیتے اور اپنے جد کا مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کرتے تھے' ان کے مرثیوں سے ائمہؑ کے گھر میں گریہ وفغاں سے کہرام برپا ہوجاتا تھا' جبکہ حکومت کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہوجاتا تھا۔ یہ وہ شاعر تھے جو کہتے تھے کہ ہم اپنی صلیب خود اپنے کاندھوں پر لیے پھرتے ہیں۔

مجالس میں فضائلِ اہلِ بیتؑ کا بیان

مجالسِ عزا میں بیان کیے جانے والے موضوعات میں سے ایک اور موضوع اہلِ بیتؑ کے فضائل' بالخصوص امام المتقین علی علیہ السلام کے فضائل کا بیان ہے۔ علیؑ کے فضائل بیان ہونا بھی چاہئیں کہ یہ عظیم ہستی اس کی اہل اور سزاوار ہے' اسی لیے تاکید بھی ہے کہ اپنی مجالس کو ذکرِ علی ابن ابی طالبؑ سے زینت دو۔ لیکن ان کے فضائل جس انداز سے بیان کیے جاتے ہیں وہ شاید خود علیؑ کو بھی پسند نہ ہوں۔ ہمارا یقین اور عقیدہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد جو مرتبہ اور عظمت حضرت علیؑ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ لیکن مجالس میں ان کا موازنہ ان شخصیتوں سے کیا جاتا ہے جو کسی طرح بھی علیؑ کے ہم پلہ نہیں' خود امیرالمومنین امام علیؑ شاکی ہیں کہ:

> ''لوگوں نے مجھے بڑھایا تو اتنا بڑھایا کہ خدا بنادیا اور گھٹایا تو اتنا گھٹایا کہ میرا موازنہ معاویہ سے کرنے لگے۔''

علیؑ یقیناً مردِ میداں' فاتحِ خیبر اور فاتحِ بدر و حنین ہیں' وہ دشمن کے خلاف الٰہی قوت سے لڑتے تھے' محکم عزم کے ساتھ ہتھیلی پر جان رکھ کر دشمن کی صفوں کے قلب میں گھس جاتے' ان سے جنگ کرتے اور معرکہ سر کرکے پلٹتے تھے۔ وہ صرف مردِ میداں ہی نہیں بلکہ کون سا میداں ہے' جس میں ان کا ثانی تاریخ میں کہیں نظر آتا ہو۔ علیؑ کثیر الجہات (Multi dimensional) صفات کے حامل' کامل ترین انسان تھے۔ علیؑ کی شجاعت کا عکس میدانِ جنگ سے بھی بڑھ کر ان کے صبر و استقامت' ایثار و قربانی اور اسلام کے لیے ان کی فداکاری میں نظر آتا ہے۔ علیؑ کو دیکھنا ہو تو نہج البلاغہ

کے آئینے میں دیکھنا چاہیے۔ علیؑ کی ہمہ جہت شخصیت میں ایک کشش اور جاذبیت ہے' اس لیے کسی خودساختہ فضیلت کی بجائے ان کے عدل' ان کے طرزِ حکمرانی' ان کی ایثار و قربانی اور اسلام کے لیے ان کی فداکاری کو نہج البلاغہ کی روشنی میں پیش کر کے اہلِ علم اور دانشور طبقے کی توجہ جلب کرنے کی ضرورت ہے۔

مجالس میں متنازعہ امور پر گفتگو

مجالس میں متنازعہ امور خصوصاً خلافت کے مسئلے پر بحث و گفتگو سے اجتناب کرنے کی ضرورت ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں مختلف مکاتبِ فکر کے فریقین کے درمیان خلیج وسیع تر ہوجاتی ہے۔ جبکہ اس کا حاصل کچھ نہیں۔ ہماری مجالس کے دروازے ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کے لیے کھلے ہونے چاہئیں۔ برادرانِ اہلِ سنت نہ صرف یہ کہ ہماری مجالس میں شریک ہوتے ہیں' بلکہ خود اپنے یہاں بھی مجالس کا اہتمام کرتے ہیں۔ حسینؑ کسی ایک فرقے کی جاگیر نہیں' وہ ہم سب کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ برادرانِ اہلِ سنت فرزندِ رسول حسین ابن علیؑ سے محبت اور ان سے عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ حسین ابن علیؑ کی دعوت کسی ایک گروہ اور فرقے کے لیے نہیں' بلکہ ان کی دعوت عام ہے اور ہر اس فرد کے لیے ہے جو حسینؑ کی معرفت اور حسینی تحریک کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ چنانچہ زہیر ابن قین کی مثال تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ زہیر ابن قین عثمانی کیمپ سے وابستہ اور سیاسی لحاظ سے حضرت علیؑ کے حریف تھے' بدقسمتی سے حضرت علیؑ کو حضرت عثمان کے قتل کا ذمے دار سمجھتے تھے' لیکن پیغمبر اکرمؐ کے ناتے فرزندِ رسول حسین ابن علیؑ سے محبت رکھتے تھے۔ مکہ سے نکلنے کے بعد امام حسینؑ کی ایک منزل پر اتفاق سے زہیر ابن قین سے ملاقات ہوئی' امامؑ نے زہیر کو بلایا اور اپنی تحریک میں شامل ہونے کی ان کو دعوت دی اور زہیر نے جب یہ دیکھا کہ فرزندِ رسولؐ انہیں مدد کے لیے بلا رہے ہیں' تو انہوں نے حضرت علیؑ سے اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر والہانہ انداز میں امامؑ کی دعوت پر لبیک کہا اور حسینی جانبازوں کے لشکر میں شامل ہوکر کربلا میں حسینؑ پر اپنی جان نثار کردی۔

آج بھی مسلمانوں میں نہ جانے کتنے زہیر موجود ہیں، لیکن کوئی دعوت دینے والا نہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ زہیر ابن قین جیسے فکری اور دانشور لوگوں کو اپنی مجالس میں دعوت دی جائے، حسینی فکر اور حسینی پیغام کو ان تک پہنچایا جائے اور ایسی تمام غیر ضروری باتوں سے گریز کیا جائے جو ان کے لیے بارِ خاطر اور دل آزاری کا باعث ہوں۔

خلافت کے دیرینہ مسئلے پر بحث و تمحیص اور خلفا اور صحابہ پر تنقید و اعتراض لوگوں کی ناگواری اور اتحاد بین المسلمین کو نقصان پہنچنے کا سبب بنتا ہے۔ مسئلۂ خلافت کا اگر ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا جائے تو اس کے دو پہلو ہیں......

ایک یہ کہ کیا ہوا؟

دوسرا یہ کہ کیا ہونا چاہیے؟

جہاں تک "کیا ہوا" کا تعلق ہے، تو قطعِ نظر اسکے کہ غلط ہوا یا صحیح ہوا، جو کچھ ہوا وہ ہو چکا اور تاریخ کے صفحوں پر ثبت ہو گیا۔ اب نہ تاریخ کو بدلا جا سکتا ہے نہ اس عمل کو کالعدم کیا جا سکتا ہے۔ ۱۴سو سال بیت گئے، وقت کو واپس بھی لوٹایا نہیں جا سکتا، تو اب ۱۴سو سال گزر جانے کے بعد اس بحث کا فائدہ اور حاصل کیا؟

رہا یہ سوال کہ...... "کیا ہونا چاہیے"...... یہ البتہ یہ ایک اصولی بحث ہے اور اس اصول سے اختلاف اور انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ خلافت...... مقامِ رسالت اور الٰہی منصب ہے، اس کو سنبھالنے والا کوئی اہل ترین شخص ہونا چاہیے۔ اس مسئلے کو ایک لمحے کے لیے علیؑ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جانا چاہیے............

کیا علیؑ اس مسئلے کو اس زاویے سے دیکھتے تھے کہ خلافت ان کا حق ہے؟

کیا معاذ اللہ علیؑ خلافت کے حریص تھے؟

تاریخ کا جواب ہے کہ...... "نہیں"۔ علیؑ ہرگز خلافت کے حریص نہیں تھے۔ چنانچہ حضرت عثمان کے قتل کے بعد علیؑ کو جب زمامِ حکومت سنبھالنے پر مجبور کیا گیا، تو ابن عباس سے

آپؑ نے فرمایا کہ:

''میری نظر میں اس حکومت کی قیمت اتنی بھی نہیں جتنی میرے اس بوسیدہ جوتے کی ہے۔''

کسی نے کیا خوب کہا ہے......

وہ کیا چاہے خلافت اور حکومت
خدا بننے سے جو انکار کردے

حضرت عثمان کے بعد خلافت کا بار سنبھالنے پر علیؑ کو مجبور کیا گیا اور وہ اس لیے مجبور ہو گئے کہ اس وقت معاشرتی عدل درہم برہم ہو چکا تھا' طبقاتی نظام (Polarization) کے نتیجے میں لوگ دو طبقوں میں تقسیم ہو گئے تھے.........

ایک بہت پیٹ بھرے'

دوسرے بہت بھوکے اور مفلوک الحال۔

حضرت علیؑ اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لَوْلَا حُضُورُ الْحَاضِرِ وَقِيَامُ الْحُجَّةِ بِوَجُودِ النَّاصِرِ وَمَا أَخَذَ اللّٰهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ أَلَّا يُقَارُّوا عَلَىٰ كِظَّةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُومٍ لَأَ لقَيْتُ حَبْلَهَا عَلَى غَارِبِهَا وَلَسَقَيْتُ آخِرَهَا بِكَأْسِ أَوَّلِها."

''اگر کچھ لوگ یارومددگار بن کر میرے گھر نہ آئے ہوتے اور میرے لیے عذر کی گنجائش نہ رہی ہوتی کہ کوئی میرا ساتھ دینے والا نہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے علما سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ جب نوبت یہ آ جائے کہ کچھ لوگ اس قدر مال و دولت پر قبضہ کرلیں اور اتنا کھانے لگیں کہ بیمار پڑ جائیں اور دوسروں کے حقوق اس قدر پامال ہو جائیں کہ ان کے پاس پیٹ بھرنے کو کچھ بھی نہ رہے' تو علما کو کسی صورت تماشا دیکھنے اور محض افسوس کر لینے پر اکتفا نہیں کر لینا چاہیے۔ (ان دو

باتوں نے اگر بحالتِ موجودہ مجھے اپنے اس فرض کا احساس کرنے پر مجبور نہ کر دیا ہوتا) تو میں کنارہ کشی اختیار کرتا اور خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں نہ لیتا اور پہلے کی طرح پہلوتہی کرتا۔"

علیؑ نے واضح کر دیا کہ نہ وہ خلافت کے حریص تھے اور نہ خلافت کے مسئلے کو وہ حق کے نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے' بلکہ اس کے برعکس خلافت کو وہ ایک الٰہی فریضہ اور الٰہی ذمے داری کے زاویے سے دیکھتے تھے' اس مسئلے کو دراصل ہم غلط سمجھے۔ خلافت کا مسئلہ حق اور میراث کا مسئلہ نہیں بلکہ ایک الٰہی فریضہ اور ذمے داری کا مسئلہ ہے۔

مسئلہ یہ نہیں کہ خلافت علیؑ کا حق تھا' بلکہ حقیقتِ امر یہ ہے کہ خلافت کا یہ حق تھا کہ اسے علیؑ جیسا اہل ملے۔ علیؑ خلافت سے محروم نہیں ہوئے' بلکہ خلافت علیؑ سے محروم ہوگئی۔ اس حقیقت کو اگر کسی نے درک کیا' تو وہ علیؑ کے محبّ صعصہ بن صوحان نے کیا' جو کہتے ہیں:

"زینت الخلافة وما زانتک ورفعتک الخلافة وھی الیک احوج منک الیھا."

"اے علیؑ! آپؑ خلیفہ ہوگئے تو خلافت نے آپؑ کو کوئی زینت نہیں بخشی' بلکہ آپؑ نے خلافت کو چار چاند لگا دیئے۔ خلافت نے آپؑ کو بلند نہیں کیا کہ آپؑ خلیفہ ہوئے' بلکہ آپؑ نے خلافت کے مقام کو بلند کر دیا۔ اے علیؑ! آپؑ خلافت کے محتاج نہیں' بلکہ خلافت کو آپؑ کی ضرورت تھی۔"

جنابِ زہرا سلام اللہ علیہا کی فریاد بھی یہی تھی کہ علیؑ کو خلافت سے نہیں بلکہ خلافت کو علیؑ سے محروم کر دیا گیا۔ ان کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اس الٰہی منصب کو اس کے اہل سے دور اور محروم کر دینے کے آخری نتائج کیا ہوں گے۔ چنانچہ معصومۂ کونینؑ نے اپنے خطبے میں اہلِ مدینہ کو ان خطرات سے آگاہ کر کے بتلا دیا تھا کہ تم نے ابوالحسنؑ کو نظر انداز کر کے دنیا کو ایک بہت ہولناک خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ اس خطرے کا آج تمہیں اندازہ نہیں' لیکن یاد رکھو! جو غلطی

آج تم نے کی ہے اس کے نتائج آنے والے کل ضرور ظاہر ہو کر رہیں گے۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا:

''یہ خلافت اب حاملہ ہو چکی ہے' کل جب تم اس سے دودھ حاصل کرنا چاہو گے تو یہ دودھ کی بجائے خون دے گی۔''

یہی بات ثانیٔ زہرہ زینب سلام اللہ علیہا نے کوفہ کے بازار میں اسیری کے عالم میں کوفہ والوں کو بتلادی تھی کہ:

''اے کوفہ والو! تم ہمیشہ روتے رہو گے۔''

جنابِ زینب سلام اللہ علیہا کا یہ جملہ کتنا دوررس اور حقیقت پر مبنی ہے کہ اس کی بازگشت آج بھی بخوبی سنائی دے رہی ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ............

''جب اس الٰہی منصب کو اس کے اہل سے دور اور محروم کر دیا جائے تو رونا امت کے لیے بلکہ دنیا کے لیے ہمیشہ کا مقدر بن جاتا ہے۔''

چنانچہ جس خطرے کی جانب معصومۂ کونین حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اور ثانیٔ زہرا حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے لوگوں کو متوجہ کیا' اس کا مظاہرہ تاریخ نے بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں دیکھا کہ کس طرح انسانی خون کی ندیاں بہائی گئیں اور آج ہم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہیروشیما' ناگاساکی اور ویت نام میں کس طرح انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اور اب فلسطین' عراق اور افغانستان میں بربریت کا رقص جاری ہے۔ خونِ مسلم کتنا ارزاں ہو چکا ہے۔ مسلم حکمرانوں کے کردار پر نظر ڈالیے تو دیکھتے ہیں کہ وہ زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنے کی بجائے اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر طاقت کے بل بوتے پر ہمیشہ فتوحات اور ملک گیری میں مصروف یا پھر عیش و عشرت میں مگن رہے۔ عسکری اور اسلحہ کی طاقت کے زور پر سروں کو تو جھکایا جا سکتا ہے' دلوں کو نہیں۔ حق اور اسلام کی حقانیت ہی وہ طاقت ہے جو دلوں میں گھر بناتی اور بلال حبشی' مقداد' عمار یاسر' سلمان و ابوذر اور حجر ابن عدی جیسے مومن و مجاہد پیدا کرتی ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں دیکھ لیجیے مسلم حکمراں خود آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے رہے یا عیش و طرب میں

ڈوبے رہے۔ کیا اسلام اور مسلمانوں کے لیے انہوں نے کوئی کارنامہ انجام دیا؟

مغل اور دوسرے مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں اپنے ذاتی اقتدار کی بجائے اللہ کی حاکمیت' اسلام کے نظام اور قرآن کا قانون نافذ کرنے کے لیے کوئی کام کیا ہوتا تو پورا برصغیر آج اسلام کی سرزمین ہوتی' ۱۹۴۷ء میں ہندوستان میں لاکھوں مسلمانوں کا یوں قتلِ عام نہ ہوا ہوتا اور ہندوستان میں مسلمان غیروں کے ہاتھوں اور پاکستان میں خود اپنوں کے ہاتھوں یوں ذلیل وخوار نہ ہو رہے ہوتے۔

آٹھ سو سال سے زیادہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت رہی' اس تمام عرصے میں مسلمان ہمیشہ پسماندہ اور تعلیم سے محروم' جبکہ غیر مسلم محکوم رہنے کے باوجود تعلیم کے میدان میں مسلمانوں سے کہیں آگے رہے۔ دولت کی ریل پیل کے باوجود مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں کتنے تعلیمی ادارے اور یونیورسٹیاں قائم کیں؟ اپنی شان وشوکت کے اظہار کے لیے بے تحاشا پیسہ خرچ کر کے اپنی بیگمات کے لیے تاج محل جیسا مقبرہ اور اپنے لیے بڑے بڑے محل وقصور البتہ ضرور تعمیر کئے۔ حیرت ہے کہ اولیا اللہ کے مزاروں کے ڈھانے والوں کے ہمنوا تاج محل جیسے مقبرے کی تعمیر پر آج کیوں خاموش ہیں اور مغل شہنشاہوں کی مدح میں کیوں رطب اللسان ہیں؟

ہاں! ان شہنشاہوں نے اپنی بے تحاشا دولت کے سہارے "سستے ثواب" کی خاطر بابری مسجد اور شاہی مسجد یں جیسی بڑی بڑی مسجدیں بھی ضرور تعمیر کرائیں' جو زیادہ سے زیادہ فنِ تعمیر کا شاہکار تو کہی جاسکتی ہیں لیکن کیا ان مسجدوں کو دیکھ کر واقعی خدا کی یاد تازہ ہوتی ہے یا بابر اور دوسرے مغل بادشاہوں کی شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے؟

"اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَ عِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ جَاهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ." (القرآن ۹-۱۹)

"کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرم کی (تعمیر) آبادی کو اس جیسا قرار دے دیا ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور راہِ خدا میں جہاد کرتا ہے۔"

مسجدوں کی تعمیر اور بات ہے، لیکن ان مسجدوں کو آباد رکھنے کا سہرا مومن، متقی اور مجاہد کے سر پر ہی سجتا ہے۔

آج بھی عرب ممالک کے مسلم حکمراں اولیا اللہ کے مزاروں کو ڈھانے اور اپنے لیے فلک بوس محلات تعمیر کرنے میں مگن ہیں۔ تیل کی دولت سے مالا مال ہونے کے باوجود سعودی عرب اور عرب امارات میں کتنی یونیورسٹیاں ہیں جو کسی معیار پر پوری اترتی ہوں؟

جمہورِ مسلمین سے ایک دردمندانہ اپیل

کہتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ......

اگر تم میری خلافت کے دوران میرے طرزِ عمل میں کجی دیکھو، تو کیا کرو گے؟

سب نے ایک آواز ہو کر کہا کہ......

ہم آپ کو تلوار کی نوک سے سیدھا کر دیں گے۔

ہمارا تمام مسلمانوں سے مودبانہ سوال ہے کہ......

حکمرانوں سے ان کے احتساب کا یہ جذبہ آج کیوں سرد پڑ گیا؟

کیا آج مسلم حکمرانوں نے غاصبانہ قبضہ کر کے اس الٰہی منصب کا رُخ ملوکیت اور بدترین آمریت کی طرف نہیں موڑ دیا؟

مسلمان کیوں ان کا سختی سے احتساب نہیں کرتے؟

نہ صرف یہ کہ احتساب نہیں کرتے بلکہ ان ظالم اور جابر حکمرانوں کے مدح خواں بنے ہوئے ہیں۔ صدام نہ صرف شیعوں اور شیعہ علما کا بلکہ سنیوں اور سنی علما کا بھی قاتل ہے، یہ وہ ظالم اور جابر شخص تھا جس نے کیمیکل گیس (Chemical gas) جیسے مہلک ہتھیار سے سینکڑوں سنی کردوں کو چند لمحوں میں موت کی نیند سلا دیا۔ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ بہت سے مسلمان آج اس صدام کی برسی مناتے ہیں؟

خداوند عالم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہم فریضہ تمام مسلمانوں پر عائد کیا ہے،

اس فریضے کی ادائیگی کے تین مرحلے ہیں:

(۱) بالید:

یعنی ہاتھ یا طاقت کے ذریعے' جو صرف اسلامی حکومت کے توسط سے ممکن ہے۔

(۲) باللسان:

یعنی زبان کے ذریعے سے۔

(۳) بالقلب:

یعنی دل سے برائی اور بروں سے نفرت کے اظہار کے ذریعے سے۔

ہماری دردمندانہ اپیل ہے کہ اگر ہاتھ اور طاقت کے ذریعے ان آمروں اور ڈکٹیٹروں کا احتساب نہیں کر سکتے' تو کم از کم اپنے دلوں میں ان کے لیے نرم گوشہ (soft corner) تو نہ رکھیں' تاکہ کل خدا کو اتنا تو جواب دے سکیں کہ تیرے اس الٰہی منصب کو ملوکیت' آمریت اور ڈکٹیٹر شپ میں بدلنے والوں کے لیے ہمارے دل میں کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

کیا یہ المیہ نہیں کہ انسانیت استعمار اور سامراج کے خونی پنجوں میں جکڑی ہوئی تلملا رہی ہے اور منصبِ الٰہی پر غاصب حکمراں اقتدار کے نشے میں مست رنگ رلیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں' کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ان کا سارا ہم و غم اپنی کرسی اور اپنے اقتدار کی بقا اور استحکام ہے۔ اسی کے لیے استعمار کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ سامراجی ایوانوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں' اور ڈرتے ہیں کہ ان کے آقا کہیں ان سے ناراض نہ ہو جائیں۔

"فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ." (سورۂ مائدہ ۵۔ آیت ۵۲)

"تم دیکھو گے کہ ان کے دلوں میں روگ ہے' ان کے دل بیمار ہو چکے ہیں' یہ دوڑ دوڑ کر ان کی طرف جاتے ہیں اور خوف زدہ ہیں کہ ہم کسی گردش اور مصیبت میں نہ آ جائیں۔"

کیا یہ سب کچھ اس کا نتیجہ نہیں کہ یہ الٰہی منصب نااہلوں کے ہاتھ میں ہے اور امت صالح قیادت سے محروم ہے؟

اب کیا کریں؟

کل جو گزر گیا اس پر ماتم اور گزرے ہوئے کل کے کرداروں پر طعن و تشنیع کا کچھ حاصل نہیں۔ البتہ تاریخ کے ان کرداروں سے ہمیں سبق ضرور حاصل کرنا چاہیے اور آج کے ایسے کردار سے ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیے۔ کل اگر ابوسفیان اور معاویہ جیسے لوگ مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو کر افرادی قوت (Street power) کے بل پر شام جیسے زرخیز اور مالا مال علاقے میں مدینہ کی مرکزی حکومت کے مقابل ایک متوازی حکومت بنانے اور آخر کار ملوکیت اور آمریت کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہو گئے' تو کیا آج ایسے لوگ موجود نہیں جو اپنے ووٹوں کی تعداد اور ناجائز دولت کے زور پر حکومت میں جگہ بنا لیتے ہیں' اقربا پروری کے دروازے کھول دیتے ہیں' اور قومی خزانے کو دل بھر کر لوٹتے ہیں؟ کل کے کرداروں پر طعن و تشنیع کی بجائے آج کے ایسے کرداروں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

خلافت کس کا حق تھا اور کس کا نہیں...... یہ کل کا مسئلہ تھا' آج کا نہیں۔ آج تو بلاتفریق پوری امتِ مسلمہ اس الٰہی منصب کی اہل ترین شخصیت کو پہچانتی ہے اور اس کی منتظر ہے۔ ہر آنکھ نجات دہندۂ بشریت' حسینؑ کے فرزند امام مہدیؑ کے انتظار میں ہے' جس کی پیش گوئی اور نشاندہی کر کے پیغمبر ختمی مرتبتؐ اس دنیا سے سدھارے۔ ہم سب کو مل کر دنیا کی قیادت اس الٰہی نمائندے کے سپرد کرنے کی تیاری اور اس کے لیے میدان ہموار کرنا چاہیے۔

اصلاحِ احوال کے لیے چند تجاویز

دنیا انتہائی نازک دور سے گزر رہی ہے' ملتِ اسلامیہ آج دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم و مقہور ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے مسائل کو سمجھیں اور مل بیٹھ کر ان کا حل تلاش کریں۔

حسینؑ چراغِ ہدایت اور کشتیِ نجات ہیں، ان کی ذات ہم سب کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ حسینی تحریک ہمارے لیے مشعلِ راہ اور مجالسِ عزا ہمارے پاس بہترین پلیٹ فارم ہے۔ ضرورت ہے غیر ضروری اختلافات کو بھلا کر ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کا اپنی مجالس میں کھلے دل اور کھلے بازوؤں کے ساتھ استقبال کریں۔ اہلِ منبر حضرات حسینی قیام و نہضت کے مقصد اور ہدف کو اجاگر کریں، خطیب حضرات اپنے موضوع کے تعین اور اس کے لیے جن کتب سے انہوں نے استفادہ کیا ہو اس کا پہلے سے اعلان کریں، تاکہ سامعین خود بھی ان کتابوں کا مطالعہ کر کے مجلس میں آئیں۔ عزاخانوں میں لائبریری اور کتب کا بندوبست کیا جائے، سامعین بھی مطالعے کا ذوق پیدا کریں اور اگر ممکن ہو تو مجلس کے بعد سوال و جواب کی ایک نشست (Session) ہو یا پھر تحریری طور پر سوالات اور جوابات کے ذریعے حسینی تحریک کو درک کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس کے علاوہ مجالسِ عزا کے رائج طور و طریقوں میں بھی کچھ مفید تبدیلیاں لانے کی ضرورت ہے۔ مجالس کو ہر مکتبِ فکر کے لوگوں کے لیے جالب اور پرکشش بنایا جائے، عزاخانوں اور جلوسِ عزا میں کچھ تبدیلیاں لائی جائیں، ضریح، تابوت، علم، تعزیہ، شبیہِ ذوالجناح، سب اپنی جگہ درست کہ ان کو دیکھ کر کربلا اور کربلا کی پوری تاریخ اور پورا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، لیکن کربلا کی خونی تاریخ کی منظر کشی کے یہ ذرائع پرانے ہونے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی نظر میں ان کے عقیدے یا کسی بھی وجہ سے جاذب اور پسندیدہ نہیں ہیں، جب کہ ہمارا مقصد حسینی پیغام کا ابلاغ اور حسینی تحریک کی دعوت دینا ہے۔ یہ حقیقت ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ......

"ہماری عزاداری اور مراسمِ عزا، حسینی ہدف کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، ہدف نہیں۔"

ذرائع اور وسائل تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور وقت اور ضرورت کے تقاضوں کے تحت تبدیل ہوتے بھی رہنا چاہیے...... لیکن ہدف کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔

ہمارے تمام ائمہ علیہم السلام کا ہدف ایک تھا، لیکن اس ہدف کے حصول کے لیے اپنے اپنے

وقت کے تقاضوں کے تحت جو وسائل اور ذرائع انہوں نے اختیار کیے وہ مختلف ہو سکتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ائمۂ اطہارؑ کی سیرت وکردار میں تضاد تھا' تضاد ہر گز نہیں تھا البتہ انہوں نے جو ذرائع اور وسائل اختیار کیے وہ ضرور بدلتے رہے۔

یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے' ترقی کا زمانہ ہے' اور زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے' اس لیے حسینی ہدف کے لیے جو بھی بہتر سے بہتر وسیلہ ہو' اسے ضرور اپنانا چاہیے۔ مکتبِ اہلِ بیتؑ میں حسینی اہداف کی نشاندہی اور ان کو اجاگر کرنے والے وسائل کی کمی نہیں۔ خود مولا و آقا امام حسینؑ کے خطبات اور کلمات ان کے ہدف کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ہم نے ان ہی کے پاکیزہ خطبات اور کلمات میں سے نمونے کے طور پر چند کا انتخاب کیا ہے' جن کو ہم ہدیۂ قارئین کرنا چاہتے ہیں' اور چاہتے ہیں کہ ان کو پوسٹرز' بینرز اور کتبوں (Play cards) کی صورت میں اپنے اپنے علاقوں کی زبانوں میں ترجمہ کر کے عزاخانوں اور جلوسِ عزا میں نمایاں کیا جائے۔ ہمیں اپنی کم علمی کا احساس بھی ہے اور اعتراف بھی' اس لیے علمائے کرام سے دست بستہ التماس ہے کہ وہ بھی ایسے کلمات اور معصومینؑ کے اقوال کا اسی مقصد کی خاطر انتخاب فرما کر اضافہ فرمائیں۔ ویسے بھی یہ علمی میدان ان کا ہے ہمارا نہیں۔ اس کے علاوہ ان تجاویز پر عمل بھی ان کی اجازت کا محتاج ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید ابرار حسین رضوی



دوسرا حصہ

عنوانات

احادیثِ پیغمبر اکرمؐ اقوالِ ائمۂ طاہرینؑ اور خطباتِ امام حسینؑ سے منتخب چند کلمات اور خطبات جو عزاخانوں اور جلوس ہائے عزا میں نمایاں کیے جانے کے لیے موزوں ہیں۔

عنوانات

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

"اَلاَ تَرَوْنَ اِلَی الْحَقِّ لاٰ یُعْمَلُ بِهِ وَالَی الْبَاطِلِ لاٰ یُتَنَاهیٰ عَنْهُ لِیَرْغَبَ الْمُؤْمِن فِی لِقَاءِ اللّٰه ."

"اِنِّی لاٰ اَرَی الْمَوتَ اِلاَّ سَعَادَةً وَالْحَیاةَ مَعَ الظّٰالِمِیْنَ اِلا بَرَماً ."

(تاریخ طبری۔ ج ۷ ص ۳۰۰)

"کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے کوئی روکنے والا نہیں؟ نوبت جب یہ آ جائے تو مومن کو اپنے خالق سے ملنے کی تمنا کرنی چاہیے۔"

"میرے نزدیک موت ایک سعادت ہے، جبکہ ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہلاکت ہے۔"



پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللّٰه وعترتی اهل بیتی."

"میں تمہارے درمیان دو گرانقدر سرمائے چھوڑے جا رہا ہوں، قرآن اور

میرے اہلِ بیتؑ۔۔۔"

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"ان الحسین مصباح الھدی و سفینة النجاة."

"حسینؑ چراغِ ہدایت اور کشتیٔ نجات ہیں۔"

لمحۂ فکریہ......

ہمارے پاس قرآن جیسی کتاب اور اہلِ بیتِ رسولؐ جیسے رہبر موجود ہیں، پھر کیوں امتِ مسلمہ آج دردر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے؟

کیا قرآن اور اہلِ بیتؑ نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے؟

یا

پھر ہم قرآن اور اہلِ بیتؑ کو چھوڑ بیٹھے ہیں؟

حسینؑ چراغ ہدایت ہیں...... پھر کیوں آج امت اندھیروں میں بھٹک رہی ہے؟

حسینؑ کشتیٔ نجات ہیں...... پھر کیوں آج ہم موجوں کے تھپیڑے کھا رہے ہیں؟

خدانخواستہ ایسا تو نہیں کہ ہم فرزندِ نوحؑ کا کردار ادا کر رہے ہوں؟



زیارتِ امام حسین علیہ السلام میں ہم شہادت دیتے ہیں:

"أَشْهَدُ أَنَّكَ مِنْ دَعَائِمِ الدِّيْنِ وَأَرْكَانِ الْمُؤْمِنِينَ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ الْإِمَامُ الْبَرُّ التَّقِيُّ الرَّضِيُّ الزَّكِيُّ الْهَادِي الْمَهْدِيُّ وَأَشْهَدُ أَنَّ الْأَئِمَّةَ مِنْ وُلْدِكَ كَلِمَةُ التَّقْوَى وَأَعْلَامُ الْهُدَى وَالْعُرْوَةُ الْوُثْقَى وَالْحُجَّةُ عَلَى أَهْلِ الدُّنْيَا."

"میرے مولا و آقا حسینؑ! دنیا نے آپ کی قدر نہیں کی، لیکن میں جانتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ:

''آپؑ دین کا ستون اور مومنین کے دین کا رکن اور سہارا ہیں' آپؑ کا قاتل وہ ہے جس نے دین کے ستون کو ڈھایا' آپؑ مقدس امامؑ اور منتخبِ روزگار ہستی ہیں' آپؑ ہدایت کا سرچشمہ ہیں' آپؑ اور آپؑ کی نسل سے تمام ائمہؑ معصوم صاحبِ تقویٰ' روحِ تقویٰ اور نشانِ ہدایت ہیں' دین کی مضبوط رسی اور دنیا پر خدا کی حجت ہیں۔''



مروان ابن حکم نے خیرخواہ بن کر امامؑ کو یزید کی بیعت کر لینے کا مشورہ دیا' تو آپؑ نے اس کو جواب دیا:

''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ وَ عَلَی الْاِسْلَامِ السَّلَامُ اِذَا بُلِیَتِ الْاُمَّۃُ بِراعٍ مِثْلِ یَزِیدَ.''

(لہوف۔ص۲۰'مثیر الاحزان۔ص۱۰'مقتلِ عوالم۔ص۵۳'مقتلِ خوازی۔ج۱۔ص۱۸۵)

''اگر امت پر یزید جیسا شخص مسلط ہو جائے اور امت کی رہبری یزید جیسے شخص کے ہاتھوں میں ہو' تو پھر اسلام کا خدا حافظ' پھر اسلام پر فاتحہ پڑھ لینی چاہیے۔''



حسینی قیام کے ہدف' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وضاحت امام محمد باقر علیہ السلام نے ان لفظوں میں فرمائی:

''بھا تقام الفرائض وتامن المذاھب وتحل المکاسب و ترد المظالم وتعمر الارض و ینتصف من الاعداء و یستقیم الامر.''

''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہ الٰہی فریضہ ہے جس کی بدولت تمام تعلیمات پر عمل ہوتا ہے' راستے پر امن اور محفوظ ہو جاتے ہیں۔ حلال رزق کمانے کے راستے کھل جاتے ہیں' زمین آباد ہوتی ہے' مظلوموں کی دادرسی ہوتی ہے' ظالموں اور دشمنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جاتا ہے' اور تمام کام روبراہ ہو جاتے ہیں۔''

یعنی............

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج ادا کرنے ہی کا نام نہیں، بلکہ ان عبادی امور سے بڑھ کر ایک اہم الٰہی فریضہ ہے جس کے انجام پانے کے نتیجے میں عدلِ اجتماعی قائم ہوتا ہے، ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے، طاغوت کی بیخ کنی ہوتی ہے اور زمین پر اللہ کی حکومت اور قرآن کا دستور و قانون نافذ ہوتا ہے۔

یہی وہ عظیم مقصد تھا جس کی خاطر حسین ابن علیؑ نے اپنی اور اپنے انصار و اعوان کی جانوں کو قربان کر دیا۔



زیارتِ وارثہ میں زائر امامؑ کے کامل عرفان اور معرفت کے ساتھ اللہ، اس کے ملائکہ اور انبیاؑ کو گواہ بنا کر امامؑ کے ساتھ عہد و پیمان کرتا ہے کہ:

"اُشْهِدُ اللّٰه وَمَلا ئِكَتَهُ وَأَ نْبِياءَ هُ وَرُسُلَهُ اَنّی بِكُمْ مُؤْمِنٌ وَبِاِيابِكُمْ مُوْقِنٌ بِشَرائِعِ دِينِی وَخَواتِيمِ عَمَلِی وَقَلْبِی لِقَلْبِكُمْ سِلْمٌ وَأَمْرِی لأَمْرِكُمْ مُتَّبِعٌ."

میرے مولا و آقا حسینؑ!

"میں آپؑ کی رجعت، آپؑ کی شریعت اور الٰہی دین پر کامل یقین رکھتا ہوں۔ اپنے اعمال کے انجام اور جواب دہی پر بھی کامل یقین رکھتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ...... میں دل کی گہرائیوں سے آپؑ سے محبت رکھتا ہوں اور آپؑ کے احکامات کا فرمانبردار ہوں۔"

یعنی

دل و جاں سے آپؑ کے ہدف اور مشن کو تکمیل تک پہنچانے کا عہد کرتا ہوں۔



زیارتِ امام حسینؑ میں ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ:

"أَشْهَدُ اَنَّکَ قَدْ اَقَمْتَ الصَّلاةَ وَآتَيْتَ الزَّكاةَ وَأَمَرْتَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَطَعْتَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَتّٰى أَتَاكَ الْيَقِينُ."

میرے مولا و آقا حسینؑ!

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ نے نماز کو قائم کیا' زکوۃ کا حق ادا کیا' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی' اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں یقین کی منزل کو حاصل کر کے نفسِ مطمئنہ کی منزل پر فائز ہو گئے۔"

یہاں تک کہ......

تسلیم و رضا کی تمام منزلیں کامیابی سے طے کر لینے کے بعد اپنے معبود سے ان لفظوں میں یہ سند حاصل کر لی کہ......

"يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي وَادْخُلِي جَنَّتِي." (سورۂ فجر ۸۹۔ آیات ۲۷ تا ۳۰)

"اے نفسِ مطمئنہ! تو مجھ سے راضی اور میں تجھ سے خوش۔ اب اپنے رب کے پاس آ جا اور میرے بندوں میں داخل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔"



زیارتِ وارثہ میں ہم کہتے ہیں کہ......

"اَلسَّلامُ عَلَيْكَ يا وارِثَ آدَمَ صَفْوَةِ اللّٰه' اَلسَّلامُ عَلَيْكَ يا وارِثَ نُوحٍ نَبِيِّ اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَيْكَ يا وارِثَ ابْرٰهِيمَ خَلِيلِ اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَيْكَ يا وارِثَ مُوسٰى كَلِيمِ اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَيْكَ يا وارِثَ عِيسٰى رُوحِ اللّٰه اَلسَّلامُ عَلَيْكَ يا وارِثَ مُحَمَّدٍ حَبِيبِ اللّٰه....."

"اے آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ کے وارث حسینؑ' اے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے وارث حسینؑ

"اے محمدِ مصطفیٰؐ کے وارث حسینؑ! آپؑ پر سلام ہو۔"

لمحہ فکریہ......

انبیا علیہم السلام کی یہ کون سی وراثت ہے جس کے حسینؑ وارث ہیں؟

کیا یہ کسی مال و دولت کی وارثت ہے یا کسی جائداد کی کے وارثت؟

نہیں، نہیں، بلکہ حسین ابن علیؑ اس عظیم الٰہی ہدف اور مشن کے وارث ہیں جس کے لیے اللہ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاؑ کو بھیجا کہ وہ زمین پر عدلِ اجتماعی اور الٰہی قانون نافذ کریں۔ جوامر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصل مقصد ہے۔



اپنے بھائی محمد حنفیہ کے نام اپنے وصیت نامے میں امامؑ اپنے قیام و نہضت کے مقصد اور ہدف کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انّی لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَلاٰ بَطِراً وَلاٰ مُفْسِداً وَلاٰ ظٰالِماًوَانَّما خَرَجْتُ لَطَلَبِ ألإصْلاحِ فِی اُمَّةِ جَدّی (ص) اُرِیدُ اَنْ آمُرَ بـالْمَعْرُوفِ وَاَنْهىٰ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَسيرَ بِسيرَةِ جَدّی وَاَبی علي بْنِ اَبِی طالِبٍ." (مقتلِ خوارزمی۔ ج ا۔ ص ۱۸۸، مقتلِ عوالم۔ ص ۵۴)

یعنی......

"میرا نکلنا نہ خود پسندی کی غرض سے ہے، نہ فساد و ظلم میرا مقصد ہے، بلکہ اپنے جد کی امت کی اصلاح اور امر بالمعروف یعنی عدلِ اجتماعی کا قیام اور نہی عن المنکر، یعنی بُرائی اور فساد کی جڑوں کا خاتمہ میرا مقصود ہے اور اپنے پدرِ بزرگوار علی ابن ابی طالبؑ کی راہ پر چلتے ہوئے اپنے جد پیغمبر اکرمؐ کی سیرت کا احیا میری دلی آرزو ہے۔"



مدینہ چھوڑنے سے پہلے امامؑ اپنے جد پیغمبر اکرمؐ کی قبرِ مطہر پر آئے اور قبر سے لپٹ کر

مدینہ اور روضۂ رسول کو چھوڑنے کی وجہ اور اپنے ہدف و مقصد کو ان لفظوں میں بیان فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذا قَبْرُ نَبِيِّکَ مُحَمَّدٍ (ص) وَاَنَا ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّکَ وَ قَدْ حَضَرَنی مِنَ الأ مْرِ مَاقَدْ عَلِمْتَ اَللّٰهُمَّ اِنّی اُحِبُّ الْمَعْرُوفَ وَاُنْکِرُ الْمُنْکَرَ وأسألُکَ یاذَاالْجَلالِ وَالإ کْرامِ بِحَقِّ الْقَبْرِ وَمَنْ فِيهِ اِلاَّ اخْتَرْتَ لی مَا هُو لَکَ رِضیً وَ لِرَسُولِکَ رِضیً."

(مقتلِ خوارزمی۔ج ا۔ص ۱۸۶'مقتلِ عوالم۔ص ۵۴)

"بارِ الٰہا! یہ تیرے نبیؐ کی قبر ہے اور میں تیرے نبیؐ کا نواسہ ہوں' جو کچھ مجھے درپیش ہے تو اس سے خوب واقف ہے۔ پروردگارا! (تو خوب جانتا ہے کہ) میں "معروف" (نیکی اور معاشرے کی اصلاح) سے کتنی محبت اور "منکر" (برائی اور زمین پر فساد سے) کتنی نفرت کرتا ہوں۔ میرے مالک! میں اس قبر اور صاحب قبر (تیرے رسولؐ) کا واسطہ دے کر تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے وہ راہ اپنانے کی توفیق عطا فرما جس سے تو اور تیرا رسولؐ راضی ہو جائے۔"

یعنی......

امامؑ اپنے خالق کے حضور اپنی دلی آرزو کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر"، یعنی تیرے بندوں کی اصلاح' تیری زمین سے ظلم و فساد کے خاتمے اور تیری زمین پر عدلِ اجتماعی کے قیام کے سوا کچھ نہیں چاہتا اور اسی کے لیے تیری بارگاہ میں دعا گو ہوں اور تیری توفیقات کا خواہاں ہوں' تا کہ تو اور تیرا رسولؐ راضی ہو جائے۔



امامؑ نے یزیدی لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا:

"أَلا اِنَّ الدَّعِیَّ بْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَکَزَنِي بَیْنَ اثْنَتَیْنِ بَیْنَ السِلَّةِ وَالذِّلَّةِ وَهَیهَاتَ مِنَّا الذِّلَّة."(مقتلِ خوارزمی۔ج ۲۔ص ۸۷)

"دیکھو! پست اور بے نام حسب ونسب باپ کے پست اور کمین بیٹے نے مجھے دو میں سے کسی ایک بات کے انتخاب پر مجبور کر دیا ہے، یا تو تلوار اٹھالوں یا ذلت (قبول کرلوں)۔"

اپنے راسخ عزم کا دوٹوک لفظوں میں اعلان کرتے ہوئے امامؑ نے فرمایا:

"تلواروں اور نیزوں کے سائے میں حتیٰ لاشوں کی پامالی کے باوجود جب بھی موت اور ذلت میں سے کسی ایک کا انتخاب ہمیں کرنا پڑا تو ہمارا اٹل فیصلہ ہوگا......

"هَيهاتَ مِنّا الذِّلَّة."

یعنی...... "ممکن ہی نہیں کہ ہم ذلت قبول کریں۔"

"لاٰ وَ اللّٰهِ لاٰ اُعطِيهِم بِيَدِیْ اِعطَاءَ الذَّلِيلِ وَ لاٰ اَفِرُّ مِنهُم فِرارَ الْعَبِيدِ." (انساب الاشراف۔ج۳۔ص۱۸۸)

"نہیں نہیں، ہرگز نہیں، خدا کی قسم ہرگز نہ پست اور کم ہمت لوگوں کی طرح اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح راہِ فرار اختیار کروں گا۔"



جب دشمن کے بزدلانہ حملے کے نتیجے میں عباس علمدارؑ کا ایک بازو قلم ہوگیا، تو حیدرِ کرارؑ کے شجاع فرزند عباسؑ نے دوولولہ انگیز شعر پڑھے، جن سے آپؑ کے عزم کا اندازہ ہوتا ہے:

وَاللّٰهِ اِنْ قَطَعْتُمْ يَمِيْنِي   اِنِّی اُحَامِی اَبَداً عَنْ دِيْنِي
وَ عَنْ اِمَامٍ صَادِقِ الْيَقِينِ   نَجْلِ النَّبِیِّ الطَّاهِرِ الْاَمِيْنِ

"اگرچہ تم نے میرا دایاں بازو قلم کردیا ہے، لیکن خدا کی قسم عباسؑ اپنے دین اور اپنے امامؑ کا دفاع کرتا رہے گا......وہ امامؑ جو اپنے ایمان میں سچا اور پاک اور پاکیزہ اور صادق وامین نبیؐ کا فرزند ہے۔"

حضرت عباسؑ کے علم کے ساتھ نمایاں کیے جانے کے لائق علمدارِ حسینی کے معرکۃ الآرا

اشعار:

يَا نَفسُ مِنْ بَعْدَ الْحُسَيْنِ هُوْنِي　　وَبـعـده لاكـنـت ان تـكـونـى

هٰذَا الـحُسَيْنُ وَارِ دالْـمَنُـونِ　　وَتشـر بيـن بـارد الـمعين

تـا لله مـا هـذا فـعـالُ ديـنـى

(انصار الحسینؑ۔ص ۳۰)

"اے نفس! اگر حسینؑ نہ ہوں تو ذلت اور تباہی تیرا مقدر ہے، میں نہیں چاہتا کہ ان کے بعد زندہ رہوں۔ حسینؑ تو میدانِ جنگ میں گھرے ہوئے ہوں اور تو ٹھنڈا پانی پیے۔ خدا کی قسم میرا دین اس کی اجازت نہیں دیتا۔"



مدینہ کے گورنر ولید ابن عتبہ نے جب امامؑ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا، تو آپؑ نے جواب دیا:

"إنَّا اَهْلُ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ مَعْدنُ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلَفُ الْمَلائكَةِ وَ مَهْبَطُ الرَّحْمَةِ بِنَا فَتَحَ اللهُ وَبِنَا يَخْتِمُ . وَيَزِيدُ رَجُلٌ شَارِبُ الْخَمْرِ وَ قَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحْتَرَمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسقِ وَ مِثْلِي لَا يُبَايِعُ مِثْلَهُ." (تاریخ طبری۔ج ۷۔ص ۲۱۶، ۲۱۸)

"ہم خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ اور سرچشمۂ رسالت ہیں، ہمارے گھروں پر فرشتوں کی آمد و رفت رہا کرتی ہے، ہمارے خاندان پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اللہ نے اسلام کو ہمارے گھرانے سے شروع کیا اور آخر تک ہمارا گھرانہ ہمیشہ اسلام کے ساتھ رہے گا۔ جبکہ یزید جس کی بیعت کا تم مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو، شرابی ہے اور بے گناہ افراد کا قاتل ہے، اس نے اللہ کے احکام کو پامال کیا ہے، وہ کھلے عام فسق و فجور کا مرتکب ہوتا ہے۔ مجھ جیسا کسی صورت بھی اس جیسے کی

بیعت نہیں کرسکتا۔''

''مجھ جیسا یعنی نہ حسینؑ کسی یزید جیسے شخص کی بیعت کرسکتا ہے نہ کوئی حسینی کسی طاغوتی طاقت سے سمجھوتہ کرسکتا ہے۔''



منزلِ شقوق پر اہلِ عراق کے ارادوں کی جب آپؑ کو خبر ملی، تو امامؑ نے یہ اشعار پڑھے، جن سے آپؑ کے عزم وارادے کا اندازہ ہوتا ہے:

فَاِنْ تَكُنِ الدُّنْيَا تُعَدُّ نفيسةً ... فَدار ثَواب الله اَعْلاٰ وَاَنْبَلُ

وَاِنْ تَكُنِ الاَمْوالُ لِلتَّرْكِ جَمْعُهَا ... فَمَا بالُ مَتْروكٍ بِهِ الْمَرءُ يَبْخَلُ

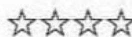
وَاِنْ تَكُنِ الاَرْزاقُ قِسْماً مُقَسَّماً ... فَقِلَّةُ حِرْصِ الْمَرْءِ فِی الْكَسْبِ اَجْمَلُ

وَاِنْ تَكُنِ الْاَبْدانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِأَتْ ... فَقَتْلُ اِمرِیءٍ بِالسَّيْفِ فِي الله افضلُ

عَلَيْكُمْ سَلاٰمُ الله يَا اٰل اَحْمَدَ ... فَاِنِّي اَرَانِي عَنْكُمْ سَوْفَ اَرْحَلُ

(ابن عساکر۔ص ۱۶۴، مقتلِ خوارزمی۔ج ا۔ص ۲۲۳، مناقب ج ۴۔ص ۹۵)

''اگرچہ بعض لوگوں کے لیے یہ دنیا انتہائی قیمتی ہے لیکن اللہ کا دارِثواب اس سے زیادہ قیمتی اور گرانقدر ہے اور اگر جمع شدہ مال ودولت کو چھوڑ ہی جانا ہے، تو پھر انسان کا اس کے بارے میں بخل کرنا صحیح نہیں اور اگر رزق وروزی مقدر ہے اور تقسیم کردی گئی ہے، تو پھر انسان دولت کے حصول کے لیے جتنی کم طمع کرے اتنا ہی بہتر ہے۔ اور اگر بدن بنائے ہی اس لیے گئے ہیں کہ انہیں موت آئے، تو پھر اللہ کی راہ میں تلوار سے مارا جانا ہی افضل ہے، اے خاندانِ محمدؐ تم پر میرا سلام ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ جلد ہی میں تم سے رخصت ہوجاؤں گا۔''



مصادر و ماخذ

نام کتاب	مؤلف	مطبوعہ
خطبات، فرمودات و مکتوباتِ حسین ابن علیؑ	حجۃ الاسلام محمد صادق نجمی	دار الثقلین، کراچی، پاکستان
سخن	آیت اللہ شہید مرتضی مطہریؒ	جامعہ تعلیماتِ اسلامی، کراچی، پاکستان
حماسۂ حسینی	آیت اللہ شہید مرتضی مطہریؒ	دار الثقافۃ الاسلامیہ، کراچی، پاکستان
مطالعۂ نہج البلاغہ	آیت اللہ شہید مرتضی مطہریؒ	مرکزِ چھاپ و نشر مجمعِ جہانی اہلِ بیتؑ
عزاداری کیوں؟	حجۃ الاسلام علی شرف الدین موسوی	دار الثقافۃ الاسلامیہ، کراچی، پاکستان
تفسیرِ عاشورہ	حجۃ الاسلام علی شرف الدین موسوی	دار الثقافۃ الاسلامیہ، کراچی، پاکستان